Vol. 7 No.3 2023

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

خطبہ جمعہ کی دینی اور فقہی اہمیت: ایک تجزیاتی مطالعہ [1]

THE SIGNIFICANCE OF FRIDAY SERMON (KHUTBAH JUMU'AH) IN ISLAM: THEOLOGICAL ANALYSIS

***Muhammad Abdur Rehman**
Lecturer, Cadet College Choa Saidan Shah, Chakwal

Abstract:
Friday congregational prayer (Salat al-Jumma) holds paramount importance in Islamic worship, and the Friday sermon (Khutbah-e-Jumma) is an integral aspect of this ritual. Originating in the early centuries and transmitted in Arabic, the legitimacy and jurisprudential rulings regarding the Friday sermon have been subjects of differing opinions among Islamic scholars. These opinions range from its obligatory nature to its permissibility. This paper delves into the significance of the Friday sermon, arguing that it serves not only as a direct adjunct to prayer but also as a means of spiritual purification. Hence, it advocates considering diverse jurisprudential perspectives and emphasizes the facilitation of spiritual purification and communal guidance within the Muslim community. Through an examination of evidences and theological reasoning, this paper aims to shed light on the broader theological and legal significance of the Friday sermon in Islam.

Keywords: Khutbah, Jumma, Language, Jurisprudence, Friday, Muslim Community, Arabic.

مسلمانوں کے نزدیک شریعت کی بنیاد حکمت اور مصلحت پر ہے۔ شریعت حکیم نے بغیر معنی اور مقصد کے احکامات نہیں دیے۔ حکم کے نفاذ کے طریقہ کار کے تعین میں نہ تو حکمت اور مصلحت کو نظر انداز کیا گیا۔ ہر مسلمان کو یہ بات لازماً یہ جان لینی چاہیے کہ شریعت کی درست پابندی فقہ پر عمل کے بغیر ناممکن ہے۔ فقہ اسلامی کو مد نظر رکھے بغیر زندگی کے مختلف حالات میں شریعت کی صحیح پیروی کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ہو گا۔ اس صورت میں گویا صرف شرعی جسم ہو گا۔ اس کی کوئی روح نہیں ہو گی۔ وہ صرف خواہش کا مالک ہو گا، وہ دماغ پر قابو نہیں رکھ سکے گا۔ بعض حالات میں نہیں بلکہ اکثر حالات میں وہ اس طرح عمل کرے گا کہ وہ شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہوا نظر آئے گا لیکن در حقیقت شریعت کے حقیقی مقاصد کو فراموش کر دے گا۔ کیونکہ اس کی توجہ انفرادی اعمال اور ان کی تفصیلات پر مرکوز ہو گی۔ ان احکامات میں پوشیدہ مفادات اور مقاصد اس کی نظروں سے پوشیدہ رہیں گے۔ پھر وہ اپنے مقاصد اور مفادات کے مطابق فقہی جزئیات پر کیسے عمل پیرا ہو سکتا ہے؟۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

یہ حقیقت یقینی طور پر ناقابل تردید ہے کہ شریعت اعلیٰ حکمت اور کامل علم کے ساتھ عمل کرتے ہوئے اپنے احکام کی بجا آوری کے لیے اکثر وہی صورتیں پیش کرتی ہے جو ہر وقت اور تمام جگہوں پر لاگو ہوتے ہیں اور ہر حال میں نافذ ہوتے ہیں۔ بہت سی فقہی جزئیات ہیں جن میں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق فیصلے بدلنے پڑتے ہیں۔ دور نبوت اور عہد صحابہ میں جو حالات عرب اور اسلامی دنیا میں رائج تھے ضروری نہیں کہ ہر دور اور ہر ملک میں ایک جیسے ہوں۔ لہٰذا یہ ایک قسم کی صورت ہے کہ اسلامی احکام کی پابندی کی صورتوں کو مد نظر رکھا جائے جو مخصوص حالات میں قبول کیے جاتے ہیں، خواہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں ہوں، اور مفادات اور عمل کے نقطہ نظر سے ان کی تفصیلات میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کی حرکت کے لحاظ سے نماز کے اوقات مقرر کئے۔ کیونکہ اب اکثر عرب اور عرب حلقوں کے لیے صحیح وقت ہے۔ لیکن اگر کوئی نماز کے وقت کا تعین کرتے وقت سورج کے طلوع و غروب اور سائے کے اتار چڑھاو کو پیش نظر رکھے، حتیٰ کہ قطب شمالی کے قریب رہنے والوں کے لیے بھی، تو بظاہر یہ شریعت کے تحریری احکام کے مطابق ہو گا۔ لیکن در حقیقت شریعت کا اصل مقصد ضائع ہو جاتا ہے اور یہ احکام کی خلاف ورزی تصور کیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ متن کی تفصیل اور پیش کش کبھی کبھار صحیح نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فقہ کے بغیر متن کی پیروی بھی درست نہیں ہو پاتی۔ اور فقہ کا تقاضا یہ ہے کہ شریعت کے مقاصد اور مفادات کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے اور ان کے مطابق تفصیلات میں مسلسل تبدیلی کی جائے، تاکہ وہ شریعت کے اصولوں پر قائم ہوں اور اس کے طرز عمل کے قریب تر ہوں۔

اعتدال اور توازن اسلامی فقہ کی اہم خصوصیات ہیں۔ اسلامی فقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ شرعی احکام میں موجود بہت سے احکام کو ان چیزوں کے لیے قربان کر دیں جو آپ کے خیال میں مفید ہیں۔ یا بہت سے نقصانات کو قبول کریں جن سے شریعت آپ کو بچانا چاہتی ہے تاکہ ان نقصانات سے محفوظ رہیں جنہیں آپ اہم سمجھتے ہیں۔ بلکہ اسلامی حکمت یہ چاہتی ہے کہ شریعت کے تمام فوائد کو سمجھیں، ان میں سے ہر ایک کو وہی اہمیت دی جائے جو خود شریعت نے دی ہے اور جزئیات میں ایسی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں کہ شریعت کا پیدا کردہ توازن برقرار رہے۔ یاد رکھیں کہ شریعت کی طرف سے تجویز کردہ طرز عمل میں تبدیلی صرف اسی صورت میں جائز ہے جب حالات میں تبدیلی ان پر عمل نہ کرنے کا سبب بنے۔ اس کی بنیاد ذاتی پسند پر نہیں بلکہ خود شریعت پر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے اعمال کی بنیاد پر فیصلے کرتے وقت، ایک اصول کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے، یعنی یہ کہ "شرعی عمل" اور "فطری" یا "معمولی عمل" میں فرق کیا جانا چاہیے۔ شرعی عمل سے مراد وہ عمل ہے جو اس بنیاد پر اختیار کیا گیا ہو کہ اس مخصوص طرز عمل کو اختیار کرنے سے شریعت کا مقصد حاصل ہوتا ہے، اور فطری یا عادتاً عمل سے مراد وہ طرز عمل ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے فطری رجحان کی وجہ سے اپنی مرضی سے اختیار کیا تھا۔ یا متعلقہ وقت اور ممالک کے اجتماعی حالات کی ضرورت ہو۔ شرعی دلیل صرف پہلی قسم کا طرز عمل ہے۔ کچھ معاملات میں، دونوں کے درمیان فرق اتنا واضح ہے کہ کوئی بھی اسے ایک نظر میں سمجھ سکتا ہے. تاہم، بعض صورتوں میں، یہ دونوں طرز عمل اس قدر مخلوط ہوتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور یہاں اکثر، خاص طور پر بڑے بزرگوں میں، غلطی ایک رویے کو دوسرے کے ساتھ الجھانے اور اس سے غلط نتائج اخذ کرنے کی ہوتی ہے۔ ان مختلف حیثیتوں کی الجھن کی وجہ سے بعض اوقات یہ فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ عمل کا کون سا حصہ آپ کی شان نبوت سے متعلق ہے تاکہ اسے شرعی ثبوت میں تبدیل کیا جاسکے اور کون سا حصہ آپ کی دوسری عادی

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

حیثیتوں سے متعلق ہے۔ ہمارے لیے ان کے اعمال میں ان کی شرعی رہنمائی صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی اور براہ راست استفادہ کیا۔ اس حیثیت کے علاوہ، چاہے وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، ان میں شرعی معیارات نہیں ہیں۔ اب کسی کے اعمال خصوصاً دینی اعمال میں یہ فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سی چیزیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی رہنمائی سے پیدا ہوتی ہیں، جو آپ کے اپنے قول اور اجتہاد پر مبنی ہیں، اور جن کا تعلق آپ کے ذاتی اور عادی معاملات سے ہے۔ اس باب میں اختلاف کی بھی بہت گنجائش ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک شخص کا ذوق اور فہم دوسرے کے ساتھ موافق ہو، چاہے دونوں کا ذریعہ ایک ہی ہو۔ لہٰذا کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ "شریعت" صرف وہی ہے جسے میرا وجدان "شریعت" کہتا ہے، اور کسی دوسرے شخص کی بصیرت جسے وہ "شریعت" کہتا ہے، صریحاً غلط ہے۔

نماز کی زبان

نماز کی زبان کے متعلق آج کل عام طور پر "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ"[i] "نشہ کی حالت میں نماز کی قریب نہ جاؤ تاوقتیکہ تم یہ نہ جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔" سے استدلال کیا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس آیت سے استدلال درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حَتّٰى تَعْلَمُوْا فرمایا ہے، حَتّٰى تَفْقَهُوْا یا حَتّٰى تَفْهَمُوْا نہیں فرمایا۔ علم اور فقہ و فہم میں جو باریک فرق ہے، اس کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دوران نماز میں ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے کے معنی و مفہوم کو سمجھنا اور ہر لفظ کے معنی کی طرف ملتفت رہنا ضروری ہے، اور جب تک یہ فہم اور التفات حاصل نہ ہو، نماز صحیح نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ بداہتاً غلط ہے۔ اگر ایک عربی نہ جاننے والے کی نماز محض اس وجہ سے صحیح نہیں ہو سکتی کہ وہ نماز میں جو کچھ پڑھتا ہے اسے نہیں سمجھتا، تو ایک عربی دان کی نماز بھی ایسی حالت میں درست نہ ہونی چاہیے جب کہ وہ سمجھ سمجھ کر نہ پڑھ رہا ہو، اول سے لے کر آخر تک پوری نماز میں ایک ایک لفظ کے معنی کی طرف ملتفت نہ ہو۔ ایسی کڑی شرط کے ساتھ تو شاید مشکل ہی سے کوئی شخص روزانہ پانچوں وقت کی نمازیں صحیح ادا کر سکتا ہے۔ زندگی میں انسان پر ہر طرح کے حالات گزرتے ہیں، کبھی رنجیدہ ہوتا ہے، کبھی متفکر ہوتا ہے، کبھی کسی کام میں اس کا ذہن مشغول ہوتا ہے، کبھی غیر محسوس طور پر خیالات اور وسوسے اس کے ذہن میں داخل ہو جاتے ہیں اور کافی دیر تک اس کو یہ شعور بھی نہیں ہوتا کہ میرا ذہن کہیں بھٹک گیا ہے۔ اگر نماز کے لیے یہ شرط ہو کہ ان سب دماغی و قلبی کیفیات سے بالکل خالی ہو کر انسان پورے شعور اور التفات کے ساتھ کھڑا ہو تو نماز ادا کرنا ہی مشکل ہو جائے گا۔

یہ وہ سختیاں ہیں جو انسان خود اپنی عقل سے اپنے لیے پیدا کر لیتا ہے۔ شارع نے اس پر ایسی سختی نہیں کی، کیونکہ وہ اس کی فطری کمزوریوں کو خوب جانتا ہے۔ اس نے سمجھ اور التفات اور استغراق اور خشوع و خضوع کو نماز کا کمال اور اس کا حسن تو ضرور قرار دیا ہے اور اس کی خواہش یہی ہے کہ انسان کی نماز ایسی ہی کامل اور حسین ہو، لیکن اس نے ان چیزوں کو شرط نماز قرار نہیں دیا کہ بغیر ان کے نماز درست ہی نہ ہو۔

آیت کا صحیح مفہوم

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اب ذرا آیت کے الفاظ پر پھر غور کیجیے۔ اگر سمجھنا اور معانی کی طرف ملتفت ہونا ہی صحت نماز کے لیے ضروری تھا اور اسی بنا پر حالت سکر میں نماز سے دور رہنے کا حکم دیا گیا تھا تو پھر سکر ہی میں کون سی خصوصیت تھی؟ یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ جب تم متفکر ہو، تو نماز سے دور رہو۔ جب تمھیں رنج یا پریشانی یا کسی اور قسم کی ذہنی مشغولیت لاحق ہو تب بھی نماز کے پاس نہ آئو۔ جب تمھیں محسوس ہو کہ دوران نماز میں تمھارے خیالات کسی اور طرف بھٹک گئے ہیں، تب بھی نماز توڑ دو اور پھر سے شروع کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی قید بھی نہیں لگائی بلکہ صرف حالت سکر میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس حالت میں تم کو علم نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ سکر میں کسی اور قسم کی بے خبری ہوتی ہے جو عدم فہم اور عدم التفات سے مختلف ہے۔ اس حالت میں انسان کو یہ بھی شعور نہیں ہوتا کہ وہ عبادت کے لیے کھڑا ہو رہا ہے یا کسی اور کام کے لیے، قرآن پڑھ رہا ہے یا کچھ اور، قبلہ رخ بھی ہے یا نہیں۔ اس پر کچھ ایسی مدہوشی طاری ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپے میں نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن پڑھتے پڑھتے کوئی شعر گانے لگے۔ یا خدا کا ذکر کرتے کرتے کچھ اول فول بک جائے، یا قبلہ رخ کھڑے کھڑے کسی دوسری طرف ڈھلک پڑے۔ یا نماز پڑھتے پڑھتے بھول جائے کہ نماز پڑھ رہا ہوں اور ادھوری نماز چھوڑ کر کسی سے باتیں کرنے لگے، یا مصلے پر سے کہیں چل کھڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ سے دراصل ایسی ہی بے شعوری کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ جب تم اپنی حماقت سے اپنے اوپر ایسی حالت طاری کر لو جس میں تم کو اپنی زبان اور اپنے دل و دماغ پر قابو نہ رہتا ہو، تو ہمارے دربار میں حاضر ہونے کی جرأت نہ کرو۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت مذکور الصدر کا کوئی تعلق نماز کی زبان کے مسئلے سے نہیں ہے اور اس سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ نماز اس زبان میں پڑھنا ضروری ہے جسے مصلی اچھی طرح سمجھتا ہو۔

ائمہ مجتہدین کے اختلافات

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ آیا نماز کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے؟ اور کیا غیر عربی میں نماز جائز ہے؟ اس سوال کا حل اپنے طریق پر عرض کرنے سے پہلے ہم ان اختلافات کو بیان کیے دیتے ہیں جو اس باب میں ائمہ مجتہدین کے درمیان ہوئے ہیں، تاکہ مسئلے کی صحیح شرعی حیثیت کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

امام اعظمؒ کا مذہب

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ فارسی میں (اور فارسی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے، ہر زبان میں)[ii] نماز پڑھنا یا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا، یا اذان دینا (بشرطیکہ وہ غیر عربی اذان معروف ہو اور اس کو سن کر لوگ جان لیں کہ یہ اذان ہے) جائز ہے خواہ ایسا کرنے والا عربی پڑھنے پر قادر ہو یا نہ ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ "[iii] یعنی " وہ پچھلی کتابوں میں بھی ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن اپنے موجودہ نظم کے ساتھ پچھلی کتابوں میں نہ تھا۔ پس لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ان کتابوں میں اپنے معنی کے اعتبار سے تھا اور جب وہ معنوی ہونے کے باوجود "قرآن" ہی تھا تو یہ ماننے میں کیا قباحت ہے کہ قرآن کا فارسی ترجمہ بھی معنیً قرآن ہے اور نماز میں اس کا پڑھنا جائز ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اَعۡجَمِيًّا''[iv]''اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اگر عجمی زبان میں بھی یہ معنی ادا کیے جاتے تب بھی وہ قرآن ہی ہوتا۔ مزید برآں روایات میں آیا ہے کہ ایران کے نو مسلموں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے درخواست کی تھی کہ سورۂ فاتحہ ہم کو فارسی میں لکھ دیجیے۔ چنانچہ انھوں نے لکھ دی اور وہ اس کو نمازوں میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب ان کی زبانیں نرم ہو گئیں اور وہ عربی پڑھنے پر قادر ہو گئے تو انھوں نے عربی میں پڑھنی شروع کر دی۔ ان دلائل کی بناء پر امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ اگر غیر عربی میں نماز پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی۔ مگر وہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ بلکہ ابو بکر رازی نے تو لکھا ہے کہ امام صاحب نے آخر میں اپنی اس رائے سے بھی رجوع کر لیا تھا اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے قبول کر لی تھی۔

صاحبین کا مذہب

امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عربی پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو تو غیر عربی میں نماز پڑھنا درست نہیں۔ ہاں اگر وہ عربی کا تلفظ کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ''[v] اور ظاہر ہے کہ قرآن کے ترجمے پر ''قرآن'' کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لہٰذا جس نماز میں قرآن کے بجائے اس کا ترجمہ پڑھا جائے وہ نماز ہی نہ ہوگی۔ مگر جو شخص عربی کے ''تلفظ'' پر قادر نہ ہو، اس کے لیے مجبوری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ ایسے شخص کی نماز بالکل اسی طرح ہو جائے گی، جس طرح اس شخص کی نماز جو رکوع و سجود سے عاجز ہو اور اشارے سے ادا کرے۔

امام شافعیؒ کا مذہب

امام شافعیؒ کا ایک قول وہی ہے جو صاحبین کا اوپر مذکور ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو شخص عربی تلفظ پر قادر نہ ہو، وہ بغیر قراءۃ کے نماز ادا کرے۔ اگر اس نے دوسری زبان میں ترجمہ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ کلام اللہ کا ترجمہ کلام اللہ نہیں، کلام الناس ہے۔ اللہ کا کلام صرف عربی قرآن ہے[vi]۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے'' اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا''[vii]

مسئلے کی پوری تحقیق

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ سلف صالح کے پیش نظر سوال کی نوعیت صرف یہ تھی کہ اگر نماز غیر عربی میں پڑھی جائے تو آیا ہو بھی جائے گی یا نہیں؟ کسی نے کہا کہ ہوگی مگر مکروہ ہوگی۔ کسی نے کہا سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ کسی نے کہا کہ عاجز کی نماز ہو جائے گی بالکل اسی طرح جیسے معذور کی نماز اشارہ سے ہو جاتی ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے ''مجتہدین'' کے سامنے سوال کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ وہ اس سوال پر اس حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں کہ غیر عربی دان کی نماز عربی میں ادا ہوتی بھی ہے، یا نہیں؟ اور غیر عرب کے لیے عربی میں نماز اولیٰ ہے یا اپنی مادری زبان میں؟ اب چونکہ صورت مسئلہ بدل گئی ہے، لہٰذا جواب مسئلہ کی صورت بھی بدل جانی چاہیے۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مصالح شرعیہ

نماز کے لیے کون سی زبان انسب اور اولیٰ ہے؟ اس سوال کے صحیح حل کا انحصار ایک دوسرے سوال کے صحیح حل پر ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں نماز کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس سے کون کون سے شرعی مصالح وابستہ ہیں؟

اسلام کا اصل مقصد محض فرد کی تہذیب نفس اور اس کا تزکیہ ہی نہیں ہے، بلکہ وہ افراد کو فرداً فرداً پاک اور متقی بنانے کے بعد انھیں باہم جوڑ کر ایک ایسی اعلیٰ درجے کی صالح جماعت بنانا چاہتا ہے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کے فرائض ادا کرے۔ اس غرض کے لیے اس نے تمام عبادات اس طریقے پر فرض کی ہیں کہ افراد میں رجوع الی اللہ کے ذریعے سے تقویٰ کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ان کو صالحین کی ایک جماعت بھی بناتی چلی جائیں۔ ان عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے جو تہذیب نفس بھی کرتی ہے۔ قرآنی ہدایات کی اشاعت بھی کرتی ہے، قرآن کی حفاظت بھی کرتی ہے اور مسلمانوں کو ایک جماعت بھی بناتی ہے۔ نماز کی ان مختلف حیثیات اور اسلام کے ان متعدد مقاصد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز محض ایک بندے کی اپنے خدا سے مناجات ہی نہیں ہے، اور محض ایک ایک فرد میں الگ الگ روح تقویٰ پھونکنے کا ذریعہ ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اسلام کا قوام بھی ہے۔ اور انفرادی مصلحت سے عظیم تر مصالح بھی اس سے وابستہ ہیں۔

اب دیکھیے کہ جہاں تک انفرادی مصالح کا تعلق ہے، ان کے لحاظ سے ضروری ہے کہ انسان نماز میں جو کچھ پڑھے، اس کو سمجھے بھی تاکہ تہذیب نفس اور تزکیہ روح کا مقصد پوری طرح حاصل ہو سکے۔ اس غرض کے لیے نماز کا اس زبان میں ہونا مفید ہو گا جسے مصلی جانتا ہو اور سمجھتا ہو۔ لیکن انفرادی مصالح سے اہم تر جو مصالح شارع کے پیش نظر ہیں، ان کو یہ چیز نقصان پہنچادے گی۔

اولاً: قرآن کی حفاظت کا عظیم الشان مقصد اس سے بڑی حد تک فوت ہو جائے گا۔ جب قرآن کے ترجمے کو بھی لوگ قرآن سمجھنے لگیں گے اور یہ خیال عام ہو جائے گا کہ عبادت اور تلاوت کے مقاصد کے لیے ترجمہ اصل کتاب کا قائم مقام ہے تو اصل کتاب سے اعتنا کم ہو جائے گا، اس کو یاد کرنے کا ذوق بھی باقی نہ رہے گا اور ترجمہ ہی کو عملاً بطور اصل لے لیا جائے گا۔

ثانیاً: اصل کتاب اللہ سے بے اعتنائی اور تراجم کی طرف روز افزوں التفات کا نتیجہ دین کی خرابی کے سوا کچھ نہ ہو گا، کیونکہ ناقص اور باہم مختلف متعارض ترجموں کے الگ الگ جماعتوں اور الگ الگ قوموں میں معتبر بن جانے سے اسلام کا انجام بھی وہی ہو گا جو مسیحیت اور یہودیت کا ہوا۔

ثالثاً: اس سے امت کی وحدت کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اسلام میں لسانی قومیتوں کی بنا پڑ جائے گی۔ ہر زبان کے بولنے والوں کی نمازیں اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ نہ ایرانی عرب کے پیچھے نماز پڑھے گا اور نہ ترک ہندیوں کی جماعت میں شریک ہو گا۔ ایک ہی جگہ بنگالیوں اور مدراسیوں اور پنجابیوں کی جماعتیں لسانی قومیت کی بنیاد پر الگ الگ قائم ہوں گی، اور نماز کے ٹکڑے ہوتے ہی امت کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

ان عظیم تر اجتماعی نقصانات سے بچنے کے لیے ناگزیر ہے کہ نماز کے لیے ایک ہی بین الملی زبان ہو اور وہ وہی زبان ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ رہا انفرادی نقصان، تو اس کو دور کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ نماز کا بیشتر حصہ وہ ہے جس کے لیے ایک ہی عبارت

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مقرر ہے۔ تکبیر، تسبیح، تسمیہ، تعوذ، سورۂ فاتحہ، تشہد، ان سب کا ترجمہ زیادہ سے زیادہ ایک دو گھنٹے میں بآسانی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ عام طور پر جو سورتیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں، وہ بھی دس بارہ سے زیادہ نہیں ہیں اور بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ ان کے ترجمے یاد کر لینا بھی مشکل نہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی لمبی لمبی سورتیں باقی رہ جاتی ہیں جو کبھی کبھار سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملالی جاتی ہیں۔ سو اگر بعض یا بیشتر مصلی ان کو نہ سمجھیں تو یہ ایسی کون سی قباحت ہے جس سے بچنے کے لیے تمام اجتماعی مصالح کی قربانی گوارا کر لی جائے۔

دلائل شرعیہ

مصالح اور حکمتوں سے قطع نظر کر کے جب ہم منصوص احکام پر غور کرتے ہیں تو ہمیں امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک سب سے زیادہ صحیح نظر آتا ہے اور قرین قیاس یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آخر کار اسی کی طرف رجوع فرمایا ہو گا۔

۱- قرآن مجید میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ نماز میں قرآن کی تلاوت کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ لا قُمِ اللَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلاً۔ لا نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلاً۔ لا اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا[viii]

اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ اللَّیۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ط۔۔۔ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ۔[ix]

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا۔[x]

یہ تمام آیات نماز میں تلاوت قرآن کا حکم دیتی ہیں اور ان میں "القرآن" (الف لام تعریفی کے ساتھ) پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اطلاق ترجمہ قرآن پر نہ لغوی حیثیت سے ہو سکتا ہے نہ معنوی حیثیت سے۔

۲- قرآن میں متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ "قرآن" صرف عربی قرآن کا نام ہے اور کلام اللہ وہی ہے جو عربی الفاظ کے ساتھ خدا نے نازل فرمایا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے جو معنی بیان کیے جائیں گے، خواہ وہ عربی زبان ہی میں کیوں نہ بیان ہوں، وہ نہ صرف یہ کہ قرآن نہ ہوں گے بلکہ اس کے مثل بھی نہ ہوں گے، لہٰذا وہ کبھی قرآن کے قائم مقام ہو ہی نہیں سکتے۔

وَکَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا۔[xi]

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا۔[xii]

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ۔[xiii]

تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا۔[xiv]

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ۔[xv]

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ۔[xvi]

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۳- یہ تصریح بھی قرآن ہی میں ہے کہ تحریف سے حفاظت کا وعدہ صرف اس کتاب سے متعلق ہے جو خدا کے پاس سے نازل ہوئی ہے۔ انسانوں کے کیے ہوئے تراجم سے متعلق نہیں ہے۔ ان میں ہر طرح سے تحریف کا دروازہ کھلا ہوا ہے، خواہ وہ ارادی تحریف ہو یا مترجمین کے عجز اور ان کے عدم فہم اور ان کی قلت علم کی بنا پر ہو۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ۔ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ [xvii]

لہٰذا نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے والا یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ معناً قرآن کی صحیح تلاوت کر رہا ہے۔

۴- رجوع الی اللہ اور انابت اور خشیت جو نماز کی اصل جان ہے، اس کو پیدا کرنے کی خاصیت جیسی قرآن منزل من اللہ میں ہے، ویسی کسی اور کلام میں نہ ہو سکتی ہے، نہ پائی جا سکتی ہے۔ اس پر بھی خود قرآن شاہد ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [xviii]

ایسے صریح اور محکم شرعی دلائل کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے کہ جو نماز ترجمہ قرآن پڑھ کر ادا کی جائے وہ درست ہو جاتی ہے مکروہ ہونا کیسا، ہم تو کہتے ہیں کہ وہ کسی درجے میں بھی ادائے فرض کے لیے کافی نہیں۔ البتہ جیسا کہ صاحبین نے فرمایا ہے، اس شخص کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے، جو عربی تلفظ پر قادر ہی نہ ہو۔ اس کے حق میں یہی فتویٰ مناسب ہے کہ جب تک وہ عربی میں نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو جائے، اس کا فریضہ غیر عربی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ رخصت اضطرار کے تحت آجاتا ہے۔

خطبہ جمعہ کی زبان

اس مسئلے میں یہ ایک عام غلطی ہے کہ خطبے کی زبان کے سوال کو نماز کی زبان کے سوال سے مربوط کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑا خلط مبحث واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے ہم اسی امر کی توضیح کریں گے کہ نماز اور خطبے کی حیثیتوں میں کیا فرق ہے؟

خطبہ نماز جمعہ کا جزو نہیں ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خطبہ نماز جمعہ کا جزو ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ظہر کی چار رکعتوں میں سے دو رکعتیں خطبے ہی کے لیے کم کی گئی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ اِنَّمَا قُصِرَتِ الْجُمُعَةُ لِاَجْلِ الْخُطْبَةِ اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ خطبہ چونکہ نماز کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے، لہٰذا اس کی حیثیت بھی وہی ہے، جو نماز کی ہے اور جب نماز غیر عربی میں پڑھنا درست نہیں تو خطبہ بھی غیر عربی میں پڑھنا درست نہیں۔

لیکن یہ محض ایک سطحی رائے ہے۔ دونوں کے احکام کی تفصیلات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جو امور نماز کے لیے شرط ہیں وہ خطبے کے لیے شرط نہیں ہیں۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

نماز کے لیے طہارت شرط ہے، مگر خطبے کے لیے شرط نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر سہواً حالت جنابت میں بھی خطبہ پڑھ دیا ہو تو اعادے کی ضرورت نہیں۔

نماز کے لیے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے، مگر خطبہ جمعہ کے لیے نہ صرف یہ کہ استقبال قبلہ ضروری نہیں ہے، بلکہ قبلہ کی طرف پشت کر کے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔

نماز میں گفتگو کرنے سے فساد واقع ہو جاتا ہے۔ مگر خطبے میں کلام کیا جا سکتا ہے اور خود نبی اکرم اور صحابہ کرامؓ سے یہ فعل ثابت ہے، جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ نماز کے لیے وقت بھی مشروط ہے، لیکن خطبہ اگر وقت سے پہلے شروع کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نماز جمعہ میں حنفیہ کے نزدیک کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، لیکن خطبے میں اگر امام کے سوا صرف ایک آدمی ہو، تب بھی کافی ہے۔

نماز جمعہ اگر فاسد ہو جائے تو اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ لیکن خطبے کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

یہ سب امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خطبہ نماز جمعہ کا جزو نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا الْخُطْبَةُ تَقُوْمُ مَقَامَ رَكْعَتَيْنِ وَلِهٰذَا لَا تَجُوْزُ اِلَّا بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ وَالْاَصَحُّ اِنَّهَا لَا تَقُوْمُ مَقَامَ شَطْرِ الصَّلٰوةِ۔[xix]

ہمارے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ خطبہ چونکہ دو رکعت کا قائم مقام ہے اس لیے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے خطبہ پڑھنا جائز نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ خطبے کی حیثیت نماز کے ایک حصے کی نہیں ہے۔

اور شرح العنایہ علی الہدایہ میں ہے:

اِنَّهَا لَيْسَتْ بِرُكْنٍ لِاَنَّ رُكْنَ الشَّيْءِ مَا يَقُوْمُ بِهٖ ذَالِكَ الشَّيْءُ، وَصَلٰوةُ الْجُمُعَةِ لَا تَقُوْمُ بِالْخُطْبَةِ وَاِنَّمَا تَقُوْمُ بِاِرْكَانِهَا فَكَانَتْ شَرْطًا۔

خطبہ رکن نماز نہیں ہے، کیونکہ کسی چیز کا رکن تو وہ ہوتا ہے جس سے وہ چیز قائم ہوتی ہے، اور نماز جمعہ خطبے سے قائم نہیں ہوتی، بلکہ اپنے ارکان سے قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا خطبہ جمعہ کے لیے رکن نہیں، بلکہ شرط ہے۔

نماز اور خطبہ کے مقاصد کا فرق

اس میں شک نہیں کہ خطبہ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے، لیکن دونوں کے مقاصد مختلف ہیں۔ نماز سے جو کچھ مقصود ہے وہ بغیر اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان ان عبارات کو سمجھے جن کو وہ نماز میں پڑھتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا خدا کی فرض کی ہوئی عبارت کو فرض سمجھنا، اور نماز کا وقت آنے پر ادائے فرض کے لیے اٹھنا، اور اس کا اہتمام کرنا، پھر پوری شرائط اور تمام ارکان کے ساتھ نماز کو اس طرح ادا کرنا کہ گویا اسے اس امر کا شعور ہے کہ خدا اس کی خفی سے خفی باتوں کو بھی سن رہا ہے اور یہ کہ اگر وہ نماز میں کوئی

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

چیز بھی کم کردے گا تو خدا کو اس کا علم ہو جائے گا، پھر اس کا یہ سمجھنا کہ یہ رکوع و سجود اور قیام و قعود جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں، صرف خدا کے لیے ہے، اور خدا کے سوا میں کسی کا عبادت گزار نہیں ہوں۔ یہ سب امور اس مقصد کی تحصیل کے لیے بالکل کافی ہیں جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے۔ لیکن خطبہ جس غرض کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی کہ سامعین اس کو سمجھیں۔ اس لیے کہ خطبہ کا مقصد محض خدا کی یاد اور ذات حق کی طرف رجوع اور خشیت اور انابت ہی نہیں ہے، بلکہ احکام دین کی تبلیغ و تعلیم اور وعظ و تذکیر بھی ہے۔ اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ ان احکام اور مواعظ کو نہ سمجھیں جو خطبہ میں بیان کیے جاتے ہیں۔

خطبے کا مقصد

بعض لوگ اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ خطبے کا مقصد تبلیغ احکام اور وعظ و تذکیر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خطبے کو ذکر اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ [xx] لہٰذا خطبہ بھی ویسی ہی عبادت ہے جیسی کہ نماز ہے اور اس کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ لوگ اس کو سمجھیں۔ اس کی تائید میں وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ خطبے کی شرط پوری کرنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کافی ہے، اور عرف عام میں جس چیز کو خطبے سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ نماز جمعہ کے لیے شرط نہیں ہے۔ نیز وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ جب آپ خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے اٹھے تو آپ پر مجمع کا رعب طاری ہو گیا اور صرف الحمد للہ کہہ کر بیٹھ گئے اور صحابہ کرامؓ کی جماعت نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ لیکن یہ استدلال متعدد وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً: یہ یقینی نہیں کہ آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ میں ذِکْرِ اللّٰہِ سے مراد خطبہ جمعہ ہے۔ ذکر سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے، بلکہ قرآن میں اکثر اس لفظ سے نماز ہی مراد لی گئی ہے۔ مفسرین اور اہل فقہ میں یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آیا ذکر سے مراد صرف خطبہ ہے، یا صرف نماز یا نماز اور خطبہ دونوں [xxi]۔ مگر آیت کے سیاق پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر کو نماز کے معنی میں لینا زیادہ درست ہے، کیونکہ پہلے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ [xxii] فرمایا، پھر اس کی جزا یہ بیان کی کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں ذکر سے مراد نماز ہی ہے، اور خطبہ محض ضمناً ذکر میں شامل ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر ذکر سے مراد صرف خطبہ ہوتا تو اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ فرمایا جاتا۔

ثانیاً: ذِکْرِ اللّٰہِ کو اگر نماز کے معنی میں نہ لیا جائے، بلکہ یاد خدا کے معنی میں لیا جائے، تو یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ خدا کی یاد صرف عربی زبان ہی میں ہونی چاہیے؟ اللہ کے ذکر کو عربی زبان تک محدود کرنا تو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن اور حدیث میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ خدا کو یاد کرنا ہو تو صرف عربی میں کرو۔ چنانچہ اسی بنا پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَلذِّکْرُ الْمُفِیْدُ لِلتَّعْظِیْمِ یَحْصُلُ بِخدائے بزرگ ہست کَمَا یَحْصُلُ بِقَوْلِہِ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یعنی ”اللہ کی بڑائی بیان کرنے

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کے لیے جس طرح اللہ اکبر کہنا مفید ہے، اسی طرح فارسی میں "خدا بزرگ است" کہنا بھی مفید ہے۔" اور امام محمد ان کی تائید میں کہتے ہیں اَلذِّکْرُ یَحْصُلُ بِکُلِّ لِّسَانٍ "خدا کی یاد ہر زبان میں ہو سکتی ہے۔"

ثالثاً: خطبے کی شرط پوری کرنے کے لیے اگر حنفیہ نے محض حمد و ثنا کو کافی سمجھا ہے تو اس کے معنی یہ کب ہیں کہ خطبے کا جو مقصد ہے وہ بس حمد و ثنا ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے سوا دوسری چیزیں محض زوائد ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں؟[xxiii]

حنفیہ یہ بھی تو کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے جماعت کی شرط صرف تین آدمیوں سے پوری ہو جاتی ہے۔ پھر کیا اس کا مطلب یہ لینا درست ہو گا کہ جمعہ کی اقامت سے جو مقصد ہے، وہ بس اسی مختصر سی جماعت سے حاصل ہو جاتا ہے اور جماعت کثیرہ کا فراہم ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

رابعاً: خود اکابر حنفیہ ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ خطبے سے مقصود ذکر اور موعظت ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وَلَوْ خَطَبَ قَاعِدًا اَوْ عَلٰی غَیْرِ طَهَارَةٍ جَازَ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ۔

اگر امام بیٹھ کر خطبہ دے، یا غیر طاہر ہونے کی حالت میں دے، تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ مقصد اس طرح بھی حاصل ہو جاتا ہے۔'

اور علامہ ابن ہمام اس مقصود کی شرح یہ کرتے ہیں کہ وَهُوَ الذِّکْرُ وَالْمَوْعِظَةُ۔ یعنی "اس سے مراد ذکر خدا اور نصیحت ہے۔" ایک حنفیہ پر ہی کیا موقوف ہے، متقدمین سب کے سب خطبے کا مقصد یہی سمجھتے تھے اور اسی بناء پر ان کی زبان میں اکثر خطبے کے لیے مَوْعِظَةُ الْاِمَامِ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمِنْ حِکْمَةِ اسْتِقْبَالِهِمُ الْاِمَامَ التَّهَیُّؤُ لِسِمَاعِ کَلَامِهِ وَسُلُوْکُ الْاَدَبِ مَعَهُ فِیْ اسْتِمَاعِ کَلَامِهِ فَاِذَا اسْتَقْبَلَهُ بِوَجْهِهِ وَاَقْبَلَ عَلَیْهِ بِجَسَدِهِ وَبِقَلْبِهِ وَحُضُوْرِ ذِهْنِهِ کَانَ اَوْعٰی لِتَفَهُّمِ مَوْعِظَتِهِ وَمُوَافَقَتِهِ فِیْمَا شَرَعَ لَهُ الْقِیَامُ لِاَجْلِهِ۔[xxiv]

حاضرین کو جو امام کی طرف رخ کر کے بیٹھنے کی ہدایت کی گئی۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ اس کے کلام کو سننے کے لیے تیار ہوں اور کلام کی سماعت میں اس کے ساتھ ادب کو ملحوظ رکھیں۔ جب سننے والا اپنا چہرہ اس کی طرف رکھے گا اور اپنے جسم و قلب کے ساتھ اس کی جانب متوجہ ہو گا اور حضور ذہن کے ساتھ سنے گا تو امام کی موعظت اچھی طرح اس کی سمجھ میں آئے گی اور یہ اس مقصد کے لیے مددگار ہو گا جس کے لیے امام کو کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

خامساً: یہ امر غور طلب ہے کہ اگر خطبے کا طریقہ جاری کرنے سے شارع کا مقصد محض اللہ کا ذکر ہی کرنا ہوتا تو کیا اس کے لیے نماز کافی نہ تھی، حالانکہ وہ اس مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ نماز جیسی کامل و اکمل عبادت کو مختصر کر کے اس کے وقت کا ایک حصہ خطبے کو دیا گیا اور اس کو جمعہ کی شرائط میں داخل کیا گیا؟

سادساً: نماز جمعہ کے لیے خطبے کا شرط ہونا جس چیز سے فقہا نے نکالا ہے، وہ نبی ﷺ کا متواتر عمل ہے۔ چونکہ آں حضرتؐ اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام نے کبھی جمعہ، بغیر خطبے کے نہیں پڑھا۔ اس لیے یہ حکم مستنبط کیا گیا کہ جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ بالکل

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اسی طرح آپؐ کے اور صحابہ کرام کے متواتر عمل سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ محض حمد و ثنا ہی پر مشتمل نہ ہوتا تھا، بلکہ اس میں خوف خدا کی تلقین بھی ہوتی تھی، شریعت کے احکام بیان ہوتے تھے، اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لیے نصیحتیں ہوتی تھیں، قومی اور شخصی معاملات پر توجہ کی جاتی تھی، حتیٰ کہ عین خطبے کی ہی حالت میں امام کسی خاص شخص کی کوئی غلطی دیکھتا تو اس کی اصلاح کرتا، کسی مصیبت زدہ کو دیکھتا تو اس کی مدد کے لیے لوگوں کو توجہ دلاتا، عوام میں سے کسی کی کوئی شکایت ہوتی تو وہ امام کے سامنے اس کو پیش کرتا اور امام اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ جس طرح نبی ﷺ اور خلفائے راشدین نے کوئی جمعہ بغیر خطبے کے نہیں پڑھا۔ اسی طرح آپ نے اور آپ کے صحابہ نے کوئی خطبہ ایسا بھی نہیں پڑھا جو مذکورۂ بالا خصوصیات سے عاری ہو۔

چند خطب ماثورہ

اس مطلب کی توضیح کے لیے ہم نبی ﷺ کے چند خطبات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ شارع کی نگاہ میں خطبہ جمعہ کی دراصل کیا حیثیت تھی۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلاً، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ، يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔[xxv]

عبید بن السباق سے مرسلاً مروی ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں فرمایا: اے مسلمانو! اس دن کو اللہ نے عید مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم آج کے دن غسل کیا کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو موجود ہو وہ اگر استعمال کر لے تو کیا نقصان ہے اور دیکھو مسواک ضرور کرو۔

عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ فِيْ جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ، يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔[xxvi]

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمھارے حق میں سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے، وہ زمین کی برکات ہیں۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ زمین کی برکات سے کیا مراد ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا: ”دنیا کی زینت و شوکت۔“ اس پر ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ”کیا بھلائی سے بھی برائی آتی ہے؟“ حضورؐ سن کر کچھ دیر خاموش رہے یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی چیز آپ پر اتر رہی ہے۔ پھر آپ نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”بھلائی صرف بھلائی سے آتی ہے۔ اس دنیا کا مال بہت خوشنما اور شیریں ہے۔ فصل بہار میں جب یہ خوب پھلتی ہے تو اسے پیٹ بھر کر کھانے والا جانور بدہضمی سے مر جاتا ہے یا مرنے کے قریب جا لگتا ہے۔ البتہ وہ جانور بچ جاتا ہے جس نے دیکھا کہ کھاتے کھاتے کوکھیں پھول گئی ہیں تو کھانا چھوڑ دیا، دھوپ میں چلا پھرا، کچھ جگالی کی، کچھ بول و براز کی راہ سے نکالا اور جب

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

پیٹ خالی ہو گیا تب دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس مال کو جو شخص حق کی راہ سے لے گا اور حق کی راہ میں نکال دے گا۔ اس کے لیے تو یہ بہترین مددگار ہے اور جو حق کے بغیر لے گا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا چلا جائے اور شکم سیر نہ ہو۔"

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اَکْثَرَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مَا یُخْرِجُ اللّٰہُ لَکُمْ مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ، قِیْلَ مَا بَرَکَاتُ الْاَرْضِ؟ قَالَ: زَھْرَۃُ الدُّنْیَا، فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ: ھَلْ یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ ؟ فَصَمَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ یُنْزَلُ عَلَیْہِ، ثُمَّ جَعَلَ یَمْسَحُ عَنْ جَبِیْنِہٖ، قَالَ اَیْنَ السَّائِلُ؟ قَالَ: اَنَا، قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ: لَقَدْ حَمِدْنَاہُ حِیْنَ طَلَعَ ذٰلِکَ، قَالَ لَا یَاْتِی الْخَیْرُ اِلَّا بِالْخَیْرِ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ وَاِنَّ کُلَّ مَا اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ یَقْتُلُ حَبَطًا اَوْ یُلِمُّ اِلَّا اٰکِلَۃَ الْخَضِرَۃِ، اَکَلَتْ حَتّٰی اِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاھَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ، فَاجْتَرَّتْ، وَثَلَطَتْ، وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ، فَاَکَلَتْ، وَاِنَّ ھٰذَا الْمَالَ حُلْوَۃٌ مَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ وَوَضَعَہٗ فِیْ حَقِّہٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ ھُوَ، وَمَنْ اَخَذَہٗ بِغَیْرِ حَقِّہٖ کَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ۔ [xxvii]

عمرو بن تغلب کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس کچھ مال آیا تھا جس کو آپ نے بعض لوگوں میں بانٹ دیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔ بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو چھوڑ دیا گیا ہے، انھیں رنج ہے۔ اس کے متعلق آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیتا ہوں اور دوسرے کو نہیں دیتا۔ جس کو میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو میں دیتا ہوں۔ ایک جماعت کو دیتا ہوں۔ جب کہ ان کے دلوں میں بے تابی اور بے چینی دیکھتا ہوں۔ اور ایک جماعت کو اس کی بے نیازی اور نیکی کے حوالے کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں پیدا کی ہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ تَغْلِبَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ سَبْیٍ فَقَسَمَہٗ، فَاَعْطٰی رِجَالًا وَتَرَکَ رِجَالًا، فَبَلَغَہٗ اَنَّ الَّذِیْنَ تَرَکَ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ اَثْنٰی عَلَیْہِ، ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ! فَوَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ، وَاَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَلٰکِنْ اُعْطِی اَقْوَامًا لِمَا اَرٰی فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْھَلَعِ وَاَکِلُ اَقْوَامًا اِلٰی مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِنَ الْغِنٰی وَالْخَیْرِ فِیْھِمْ۔ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰہِ، مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ بِکَلِمَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ۔ [xxviii]

مشہور حدیث ہے کہ ایک شخص نماز جمعہ میں حاضر ہوا۔ آں حضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ آپؐ نے پکار کر اس سے پوچھا اے شخص! کیا تو نماز پڑھ چکا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اٹھ اور نماز پڑھ۔ دراصل یہ شخص پھٹے حالوں تھا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کی بدحالی کو دیکھ لیں۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے لوگوں کو صدقے کی ترغیب دلائی۔ اس حدیث کے اطراف قریب قریب تمام صحاح اور سنن اور مسانید میں آئے ہیں۔ امام احمد نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں خود حضورؐ کے یہ الفاظ

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

منقول ہیں کہ یہ شخص جب مسجد میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ بہت شکستہ حال ہے؟ اس لیے میں نے اسے حکم دیا کہ دو رکعت نماز پڑھ لے۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی شخص اس کی حالت دیکھ لے اور اس کو کچھ صدقہ دے دے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ خطبہ دے رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کے اوپر سے پھاند تا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ آپ نے پکار کر فرمایا: ''بیٹھ جاؤ، تم نے لوگوں کو تکلیف دی۔'' [xxix]

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک روز حضورؐ خطبہ دے رہے تھے اور قحط سالی کا زمانہ تھا۔ ایک شخص نے فریاد کی کہ یارسول اللہ جانور مر گئے اور بال بچے فاقے کر رہے ہیں، اللہ سے دعا فرمایئے کہ بارش ہو جائے۔ آپ نے اسی وقت دعا فرمائی۔ خدا کے فضل سے بارش شروع ہو گئی اور دوسرے جمعہ تک لگاتار جاری رہی۔ پھر دوسرے جمعہ کو آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو وہی شخص پھر اٹھا، یا راوی نے کہا دوسرا شخص اٹھا اور بولا کہ یارسول اللہ مکان گر گئے اور مال واسباب تباہ ہو رہے ہیں۔ خدا سے دعا فرمایئے۔ آپ نے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ، قَالَ: اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ فَبَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ یَخْطُبُ فِیْ یَوْمِ جُمُعَةٍ، قَامَ اَعْرَابِیٌّ، فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلَکَ الْمَالُ، وَجَاعَ الْعِیَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْهِ، وَمَا نَرٰی فِی السَّمَآءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ یَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰی رَاَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِهٖ فَمُطِرْنَا یَوْمَنَا ذٰلِکَ، وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِیْ یَلِیْهِ حَتّٰی الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی، فَقَامَ ذٰلِکَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ قَالَ: غَیْرُهٗ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْهِ الخ۔ [xxx]

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عثمان تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد نماز کے لیے آنے میں دیر کرتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا یہ کون سا وقت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں کام میں لگا ہوا تھا۔ اذان کی آواز سنی تو گھر جانے کے بجائے وضو کر کے سیدھا یہاں چلا آرہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: خوب! آنے میں دیر تو لگائی ہی تھی اب معلوم ہوا کہ آپ صرف وضو ہی پر اکتفا کر آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔

یہ ان کثیر التعداد خطبوں میں سے چند ہیں جو معتبر روایات میں آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے منقول ہیں۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا خطبہ جن کے متواتر عمل کی بدولت مشروع سمجھا گیا ہے ان کے ہاں خطبے کے معنی محض ذکر اللہ کے نہ تھے، بلکہ وہ اس سے تبلیغ، تعلیم، اصلاح، ہدایت اور بہت سے قومی و شخصی معاملات کی انجام دہی کا کام لیتے تھے۔ دراصل یہ چیز اس لیے مشروع نہیں کی گئی تھی کہ لوگ ہفتے میں ایک بار نماز سے پہلے رسمی طور پر اسی قسم کی ایک چیز سن لیں جیسی مسیحی گرجاؤں میں درس (Sermon) کے نام سے سنائی جاتی ہے۔ بلکہ اس کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک متحرک اور کارفرما پرزہ بنایا گیا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ لازمی طور پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے اللہ کے احکام سنائے جائیں، دین کی تعلیمات ان کے ذہن نشین کی

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

جائیں، ان کی جماعت میں یا ان کے افراد میں جو کچھ خرابیاں رونما ہوں، ان کی اصلاح کی جائے، اور قومی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے۔ نیز مرکز حکومت میں امام (Head of the State) براہ راست خود اپنی حکومت کی پالیسی پبلک کے سامنے پیش کرتا رہے اور وہیں عوام الناس میں سے ہر ایک کو اس سے سوال کرنے اور اس کے سامنے اپنی بات کہنے کا موقع حاصل ہو۔

نماز اور خطبے کا ایک اور فرق

نماز اور خطبہ جمعہ کے درمیان ایک فرق اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نماز میں جتنی چیزیں پڑھی جاتی ہیں وہ سب لفظاً لفظاً معین کر دی گئی ہیں۔ جو شخص عربی نہ جانتا ہو، وہ تھوڑا سا وقت صرف کر کے بآسانی ان کا ترجمہ یاد کر سکتا ہے، یا ان کے مفہومات ذہن نشین کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے نماز کے عربی میں ہونے سے اس امر کا کوئی خوف نہیں ہے کہ عربی نہ جاننے والے ان عبارات کے معنوی فوائد سے بالکل ہی محروم رہ جائیں گے، جنھیں نماز میں وہ پڑھتے ہیں۔ بخلاف اس کے خطبہ جمعہ کے لیے کوئی عبارت مقرر نہیں ہے۔ ہر جمعہ کو ایک نیا خطبہ ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ پہلے سے یاد کر لینا، یا اس کا مفہوم ذہن نشین کر کے آنا لوگوں کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا خطبے کے لیے عربی کو لازم کر دینے کا نتیجہ قطعاً یہی ہے کہ غیر عربی دان لوگوں کے حق میں وہ محض ایک بے معنی چیز اور ایک بے جان مذہبی رسم بن کر رہ جائے اور شارع کے وہ تمام مقاصد فوت ہو جائیں جن کے لیے اس نے جمعے کا خطبہ مشروع کیا ہے۔ ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ترکی بولنے والوں کے سامنے سنسکرت میں تقریر کرنا اور فارسی زبان والوں کو جرمن زبان میں مخاطب کرنا محض ایک مہمل حرکت ہے۔ پھر شارع حکیم کے متعلق یہ کیوں کر گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ احکام دین کی تفہیم اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے کسی ایسی زبان میں وعظ کرنے کا حکم دے گا جس کو سامعین سمجھتے ہی نہ ہوں۔

خلاصہ مباحث گزشتہ

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے تین باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

ایک یہ کہ خطبہ نماز کا جز نہیں ہے، لہٰذا نماز کے لیے عربی زبان کے لازم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خطبے کے لیے بھی عربیت واجب ہو۔

دوسرے یہ کہ خطبے کا طریقہ مقرر کرنے سے شارع کے پیش نظر جس قدر مقاصد ہیں، وہ سب کے سب ایسی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں جب کہ خطبہ کسی ایسی زبان میں پڑھا جائے، جس کو سامعین نہ سمجھتے ہوں۔ بخلاف اس کے نماز جن مقاصد کے لیے شارع نے فرض کی ہے، ان میں سے کوئی اہم مقصد مصلیوں کے عدم فہم سے فوت نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ عدم فہم سے نماز میں تو محض ایک جزئی سا نقصان آتا ہے مگر خطبے میں اس سے کلی نقصان واقع ہو جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ نماز میں عدم فہم سے جو ایک جزئی سا نقصان واقع ہوتا ہے، وہ بھی نماز کا ترجمہ یاد کر کے بآسانی رفع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خطبے میں اس سے جو کلی نقصان واقع ہوتا ہے اسے رفع کرنے کی کوئی سبیل نہیں۔

مانعین خطبۂ غیر عربیہ کے دلائل

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ غیر عربی خطبے کے جواز میں کوئی امر شرعی تو مانع نہیں ہے؟ اس سلسلے میں جب ہم قرآن اور سنت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو کہیں صراحتاً کیا معنی کنایتاً بھی کوئی حکم ایسا نہیں ملتا، جس سے خطبے کے لیے عربی زبان ضروری سمجھی جاسکے۔ جو لوگ عربیت کے لزوم پر زور دیتے ہیں، انھوں نے بھی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کی ہے۔ ان کا استدلال صرف یہ ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ اور سلف صالح نے ہمیشہ عربی زبان ہی میں خطبہ پڑھا ہے اور کبھی خطبے کے لیے عربی کے سوا دوسری زبان استعمال نہیں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی مجالس میں کبھی کبھی غیر عرب بھی موجود ہوتے تھے، مگر کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ نے ان کی تفہیم کے لیے غیر عربی میں خطبہ دیا ہو، یا عجمی زبانیں جاننے والے صحابہ میں سے کسی کو ان کی تفہیم پر مامور کیا ہو۔ حضورؐ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے بڑھ کر تبلیغ دین اور تذکیر وارشاد کا جذبہ رکھتے تھے، اور ان کے عہد میں بکثرت عجمی ممالک بھی فتح ہو چکے تھے جن کے باشندے عربی نہ سمجھتے تھے، مگر ان بزرگوں نے بھی عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ جاری نہیں کیا۔ اسی بنا پر متقدمین اور متاخرین میں سے ایک گروہ کثیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ صحت خطبہ اور ادائے سنت کے لیے خطبے کا عربی میں ہونا شرط ہے۔ صرف ایک امام ابو حنیفہ ہیں جو غیر عربی خطبے کو مطلقاً جائز رکھتے ہیں۔ ان کے سوا سلف میں اور کوئی نہیں جو اس کے جواز کا قائل ہو۔[xxxi]

استدلال مذکور پر تنقیدی نظر

ہمارے نزدیک اس استدلال میں متعدد اصولی غلطیاں ہیں۔ اولین غلطی یہ ہے کہ یہ حضرات شرعی عمل اور عادی و طبعی عمل میں فرق نہیں کرتے، جس کی طرف ہم ابتداءً اپنے چوتھے مقدمے میں اشارہ کر آئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی زبان عربی تھی۔ آپ کے مخاطب بھی عرب تھے، یا ایسے عجمی تھے جو عرب میں رہتے تھے اور عربی جان گئے تھے، مثلاً سلمان فارسی۔ اگر آپ ان کے سامنے عربی میں خطبہ نہ دیتے تو اور کس زبان میں دیتے؟ نبی عربی کا اہل عرب کے سامنے عربی میں تقریر کرنا ایک طبعی فعل ہے۔ اس کو حجت شرعی بنانا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اگر آپ نے یہ فرمایا ہوتا کہ خطبہ عربی ہی میں دیا کرو اور کوئی دوسری زبان اس غرض کے لیے نہ استعمال کرو تو بلاشبہ یہ ارشاد حجت شرعی ہوتا۔ لیکن جب کہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو خطبہ عربیہ کو محض اس بنا پر "سنت" قرار نہیں دیا جاسکتا کہ حضورؐ نے ہمیشہ عربی میں خطبہ دیا ہے۔ اس طرح کے طبعی اور عادی افعال کو شرعی اصطلاح میں سنت قرار دینے کے تو یہ معنی ہوں گے کہ عربی زبان میں گفتگو کرنے کو بھی مسنون ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ حضورؐ نے تمام عمر اسی زبان میں کلام فرمایا ہے اور غیر عربی میں گفتگو کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کا عربی میں نماز پڑھنا بھی تو ایک طبعی فعل تھا۔ پھر تم اس کو کس بنا پر شرعی فعل قرار دیتے ہو؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ نماز کے لیے عربیت کا وجوب محض اس بنا پر نہیں ہے کہ حضورؐ نے ہمیشہ عربی میں نماز پڑھی ہے، بلکہ اس طبعی عمل کے ساتھ شرعی حکم بھی موجود ہے اور متعدد مصالح شرعیہ بھی اس کے ساتھ وابستہ ہیں جن کو پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے عربی زبان میں نماز ادا کرنا واجب قرار پایا ہے۔ بخلاف اس کے عربی نہ جاننے والے لوگوں کے سامنے عربی میں خطبہ دینا کسی مصلحت شرعی کا حامل نہیں۔ بلکہ اس سے شریعت کے مقاصد الٹے فوت ہو جاتے

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ہیں۔ لہٰذا اس کو محض اس دلیل سے لازم قرار نہیں دیا جاسکتا کہ رسول عربی ﷺ نے عربی جاننے والے لوگوں کے سامنے ہمیشہ عربی میں خطبہ دیا ہے۔

استدلال مذکور کی دوسری غلطی یہ ہے کہ اس میں زمانے اور حالات کے اختلاف سے قطع نظر کر لیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کے عہد میں جو عجمی الاصل لوگ مجالس نبویہ میں حاضر ہوتے تھے وہ زیادہ تر وہی تھے جو عربی زبان سے واقف تھے اور اگر بفرض محال ان میں کوئی اکّا دکّا ایسا ہو بھی جو عربی سے ناواقف ہو تو ظاہر ہے کہ عربی بولنے والوں کے کثیر التعداد گروہ کو چھوڑ کر اس ایک شخص یا دو چار شخصوں کی خاطر خطبے کی زبان نہیں بدلی جاسکتی تھی۔[xxxii]

پھر عہد نبویؐ کے بعد جب صحابہ کرام فتح و ظفر کے جھنڈے لے کر عجمی ممالک میں پہنچے تو ان کی حیثیت ایک حاکم قوم کی تھی۔ ان کے پاس سیاسی طاقت تھی۔ وہ غالب تھے، مغلوب نہ تھے۔ وہ دوسروں کے سمجھانے کے حاجت مند نہ تھے بلکہ دوسرے خود ان سے سمجھنے کے حاجت مند تھے۔ ان کے اندر اتنا بل بوتا تھا کہ اپنی زبان کو دوسرے ملکوں میں پھیلا دیں، اور در حقیقت انھوں نے بخارا سے لے کر اسپین تک اسے پھیلا کر ہی چھوڑا۔ حتیٰ کہ ان کے فتح کردہ اکثر و بیشتر ممالک کی اصلی زبانیں عربی زبان کے مقابلے میں قریب قریب فنا ہو گئیں۔ پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ اپنی زبان کو چھوڑ کر مفتوح قوموں کی زبانوں میں خطبے دیتے؟ لیکن آج وہ حالت نہیں ہے۔ مدتیں ہوئیں کہ عربیت کا غلبہ ختم ہو چکا ہے۔ دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک میں اب صدیوں سے عربی زبان کا چرچا نہیں ہے اور سیاسی و علمی ضعف کی بنا پر روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ عربیت کے پاس اب وہ طاقت ہی نہیں ہے جس سے وہ پھیلے اور زبانوں پر چھائے۔ اس کمزوری کی حالت میں اس طرز عمل پر اصرار کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے، جو صحابہ کرام اور ان کے قریب العہد لوگوں نے غلبہ و طاقت کے عہد میں اختیار کیا تھا؟

تیسری غلطی یہ ہے کہ سلف صالح نے جو رائے مخصوص حالات میں قائم کی تھی، اس کو شرعی معنوں میں اجماع کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں، صدر اول کے تمام اکابر غالب اور فاتح قوم کے لوگ تھے۔ اگرچہ اسلام نے ان کو وطنی اور نسلی اور لسانی عصبیتوں سے پاک ضرور کر دیا تھا، مگر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ان کے اندر وہ کیفیات پیدا نہ ہوتیں جو طبعاً ہر قوم میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا مفتوح قوموں کی زبانوں سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو ان کی بولیوں سے بچانا اور ان کے اندر اپنی زبان پھیلانے کی کوشش کرنا ایک طبعی امر تھا اور غلبہ و طاقت کی فطرت ہی اس کی مقتضی تھی کہ یہ بات ان میں پیدا ہو۔ اس پر مزید یہ کہ ان کی زبان قرآن اور سنت کی زبان تھی۔ اسلام کا سارا سرمایہ اسی زبان میں تھا۔ اسلام کی اصلی اسپرٹ کا تحفظ خالص عربیت کے تحفظ ہی پر موقوف تھا۔ اس چیز نے ان کے اندر زبان کی حد تک عربیت کا تعصب اور بھی زیادہ پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر سلف کسی حال میں بھی عجمی زبان بولنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عجمی الفاظ کا استعمال بھی ان کو گوارا نہ تھا۔ سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ لَا تَتَعَلَّمُوْا رَطَانَۃَ الْاَعَاجِمِ۔ ”عجمیوں کی بولی نہ سیکھو۔“ سیدنا علیؓ کے سامنے ایک مرتبہ نوروز کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپؓ نے دریافت فرمایا، کیا ہے؟ عرض کیا گیا، آج نوروز ہے۔ آپؓ نوروز کا سن کر چیں بجبیں ہو گئے۔ محمد بن سعید بن ابی وقاص نے ایک جماعت کو فارسی بولتے سنا تو کہنے لگے مَابَالُ الْمَجُوْسِیَّۃِ بَعْدُ۔ ”یہ مجوسیت لوگوں میں کہاں سے گھس آئی؟“ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ عجمی زبان میں دعا کرنا کیسا ہے؟

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

فرمانے لگے لسان سوء "بری زبان ہے۔" امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ عجمی زبان میں نہ دعا مانگو اور نہ قسم کھاؤ۔" امام شافعی عربی زبان کے سوا ہر دوسری زبان میں بات چیت کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ یہی حال اس زمانے کے اکثر فقہاء کا تھا۔ وہ عجمی زبان کے استعمال کو عموماً اور دعا و ذکر میں اس کے استعمال کو خصوصاً برا سمجھتے تھے۔ ان بزرگوں کے اس طرز عمل پر اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ دراصل کسی شرعی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ ایک بڑی حد تک اس طرز عمل کی بنا فطری اسباب پر تھی، اور حالات کی طاقت نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کو وطنی اور لسانی عصبیت سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ کسی خاص قوم کا مذہب نہیں ہے۔ نہ وہ اس لیے آیا ہے کہ کسی خاص زبان کی حمایت کرے اور بس ایک ہی زبان بولنے والوں کا دین بن کر رہ جائے۔

بزرگان سلف نے عجمی زبانوں کی کراہت اور ان سے اجتناب اور دینی و دنیوی اغراض کے لیے ان کے استعمال کی ممانعت پر جو زور دیا تھا، اس کا ایک سبب اور بھی تھا۔ صدر اول کی تاریخ پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس زمانے میں عرب کے سوا دوسری قومیں عموماً غیر مسلم تھیں اور اسلام زیادہ تر عربی قوم میں ہی تھا۔ اس صورت حال نے اس وقت عربیت کو اسلام کا اور عجمیت کو کفر کا ہم معنی بنا رکھا تھا۔ عجمی قوموں کے جو افراد اسلام لاتے تھے، ان کا رشتہ ملت کفر سے توڑنے کے لیے اور ملت اسلام میں ان کو جذب کرنے کے لیے ناگزیر تھا کہ ان کو عربیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جاتی، اور ان کی معاشرت، لباس، آداب و اطوار، بول چال، ہر چیز کو بدل ڈالا جاتا۔ کیونکہ باطنی تغیر کی تکمیل خارجی تغیر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کو محض مسلمان بنا کر چھوڑ دیا جاتا اور تمدنی و لسانی اور ادبی حیثیت سے وہ بدستور کافر اقوام کا جز بنے رہتے تو کفر کے سمندر میں اسلام کے یہ چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہونے کے ساتھ ہی فنا بھی ہوتے چلے جاتے۔ یہ حالت ایک طویل مدت تک رہی۔ اس کے بعد جب دوسرے ممالک کی بڑی بڑی قومیں مسلمان ہو گئیں تو عربیت اور اسلام کے ہم معنی ہونے کی وہ کیفیت جو ابتدائی صدیوں میں تھی، باقی نہ رہی۔ اب ترکی، فارسی، اردو اور دوسری مسلمان قوموں کی زبانیں کفار کی زبانیں نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی زبانیں ہیں۔ اب عربی لباس اور عربی طرز معاشرت میں بھی لازمی طور پر شعار اسلام نہیں ہے۔ ہندستان میں مسلمانوں کا جو عام لباس ہے وہ بھی اسی طرح شعار اسلام ہے جس طرح عربی لباس۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ہر وہ لباس اور ہر وہ طرز معاشرت، جس سے مسلمان غیر مسلموں کے مقابلے میں ممیز ہوتے ہیں، یقیناً اسلامی شعار ہی ہے۔ پس اب حالات کے بدل جانے کے باوجود فقہائے اسلام کا عربیت پر اس طرح زور دینا درست نہیں جس طرح صدر اول کے فقہا بالکل مختلف حالات میں زور دیتے تھے۔ ہمارے نزدیک متاخرین کی یہ ایک اصولی غلطی ہے کہ وہ متقدمین کے زمانے اور ان کے حالات کو نہیں دیکھتے اور آنکھیں بند کر کے ان کے اقوال سے استناد کرنے لگتے ہیں۔

ایک اور دلیل

خطبہ عربیہ کے لزوم پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ خدا کا کلام اور اسلام کے تمام احکام زبان عربی میں ہیں اور ہر مسلمان پر عربی سے واقف ہونا لازم ہے۔ اگر لوگ عربی کی تحصیل میں غفلت کرتے ہیں اور عربی نہیں سمجھتے تو یہ ان کا قصور ہے۔ ان کی خاطر خطبے کی زبان بدلنا کیا ضرور؟

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے عربی سے واقف ہونانہایت ضروری ہے۔اس کے بغیر انھیں اپنے دین کی سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ مسلمانوں میں گمراہیوں کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ علم دین کے اصل ماٰخذ تک ان کی رسائی نہیں۔اسی لیے ہم نے خود بارہااس ضرورت کا اظہار کیاہے اور ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں عربی زبان کو لازمی طور پر شامل ہوناچاہیے۔ لیکن "ہے" اور "ہوناچاہیے" میں بہت فرق ہے۔ جو کچھ ہوناچاہیے اس کے لیے کوشش کیجیے، مگر جو کچھ فی الواقع ہے اس سے آنکھیں بند نہ کر لیجیے۔ شریعت نے آپ کو یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ بس "چاہیے" کے پیچھے پڑے رہیے اور واقعات کی پروانہ کیجیے۔ آپ کے حالات تو یہ ہیں کہ آپ کے ہاں مسلمانوں کے لیے عربی تو درکنار، دین کی ابتدائی تعلیم تک لازم نہیں ہے،اور اس پر آپ کے تحکم کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمان اگر عربی نہیں سمجھتے تو آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی پروانہیں، ہم تو عربی ہی میں خطبہ سنائیں گے۔ کیا عربی خطبے پر آپ کے اصرار کا یہ نتیجہ نکلنے کی کوئی امید ہے کہ مسلمان محض اس کو سمجھنے کے لیے عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہو جائیں؟

تیسری دلیل

تیسری دلیل جو پیش کی جاتی ہے، وہ نسبتاً زیادہ وزنی ہے۔یعنی یہ کہ عربی زبان کے سوادوسری زبانوں میں خطبے کے جاری ہونے سے اسلام میں لسانی قومیتوں کی بناپڑ جانے کا خوف ہے۔ جمعہ تو تمام مسلمانوں کو بلالحاظ نسل اور زبان و وطن ایک جگہ جمع کرناچاہتاہے، مگر غیر عربی خطبہ ان کو چھانٹ دے گااور مختلف زبانیں بولنے والوں کو جمعہ الگ الگ کراکے چھوڑے گا۔

یہ خطرہ یقیناً اہمیت رکھتاہے مگر اس کا علاج کچھ زیادہ دشوار نہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ خطبے کا ایک حصہ تولازماً عربی زبان میں ہو، اور اسے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب پر صلوٰۃ وسلام اور آیات قرآنی کی تلاوت کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرا حصہ، جس میں احکام اور مواعظ اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے اسلامی تعلیمات ہوں۔ وہ ایسی زبان میں ہوناچاہیے، جس کو حاضرین یا ان کی اکثریت سمجھتی ہو، اور اس غرض کے لیے بھی زیادہ تر ان زبانوں کو ترجیح دی جانی چاہیے، جو مسلمانوں میں بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہوں۔ مثلاً ہندستان میں صوبہ وار زبانوں اور مقامی بولیوں کے بجائے زیادہ تر اردو زبان کا خطبہ ہوناچاہیے۔ کیونکہ اسے قریب قریب ہر صوبے کے مسلمان سمجھتے ہیں۔ البتہ دور دراز کے گوشوں میں جہاں اردو سمجھنے والے کم ہیں، مقامی زبانوں کو خطبے کے لیے استعمال کیاجاسکتاہے۔ لیکن جہاں مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہو، وہاں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ نہ ہوناچاہیے۔

عملی مشکلات

یہاں تک جو کچھ ہم نے عرض کیاہے، وہ صرف شرعی مسئلے سے متعلق تھا۔یعنی قانون کی حد تک ہمارے نزدیک غیر عربی خطبے میں کوئی حکم شرعی مانع نہیں ہے،اور جو لوگ اس کو ناجائز یا مکروہ تحریمی یا خلاف سنت قرار دیتے ہیں وہ ہماری رائے میں غلطی کرتے ہیں لیکن اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ احکام سے نہیں بلکہ عملی مشکلات اور قباحتوں سے تعلق رکھتاہے۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عام فہم زبان میں خطبہ ہونے کی ضرورت جس بنا پر ظاہر کی جاتی ہے وہ تو یہی ہے کہ لوگ جب اس کو سمجھیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ گویا اصل مقصود سمجھنا نہیں بلکہ فائدہ اٹھانا ہے۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہونے لگے تو ایسی صورت میں غالباً ہر صاحب عقل یہی کہے گا کہ ایسا سمجھنے سے نہ سمجھنا بہتر ہے۔ اب ذرا اپنی قوم کی حالت کا جائزہ لیجیے۔

آپ کے ہاں امامت کا معیار حد سے زیادہ پست ہو چکا ہے۔ جو منصب مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ اہم تھا، وہ اب سب سے زیادہ غیر اہم ہے۔ جس منصب کے لیے بہتر سے بہتر آدمی منتخب کرنے کا حکم تھا، اب اس کے لیے بدتر سے بدتر آدمی چھانٹا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ذہن میں اب امام کا تصور یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے کسی اور کام کا نہ ہو اس کو مسجد کا امام ہونا چاہیے۔ دس پانچ روپیہ تنخواہ اور دونوں وقت کی روٹی مقرر کر دی اور کسی نیم خواندہ ملا کو رکھ لیا۔ یہ گویا مسجد کی امامت کا انتظام ہو گیا۔ امامت کو اس درجہ پست کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری مسجدیں، وہی مسجدیں جنھوں نے کبھی ہماری قوم کے قصر فلک بوس کی تعمیر کی تھی، آج ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو بے علم، تنگ نظر، پست حوصلہ اور دنیئ الاخلاق ہیں۔ کیا آپ ان لوگوں سے امید رکھتے ہیں کہ یہ اردو میں خطبے دے کر آپ کی دینی و دنیوی رہنمائی کر سکیں گے؟

اس گروہ کو چھوڑ کر اگر آپ نے جمعہ کی امامت کے لیے کسی دوسرے گروہ کا انتخاب کرنا چاہا تو لامحالہ اس کے لیے آپ کو علماء ہی کے طبقے کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور باستثناء چند اس طبقے کے سواد اعظم کا جو حال ہے، اسے بیان کرنا گویا اپنی ٹانگ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا ہے۔ ان حضرات کو اگر آپ نے عام فہم زبان میں من مانے خطبے دینے کا موقع دیا تو یقین جانیے کہ آئے دن مسجدوں میں سر پھٹول ہو گی۔ اس لیے کہ ان میں کا ہر شخص اپنا ایک الگ مشرب رکھتا ہے اور اپنے مشرب میں وہ اتنا سخت ہے کہ دوسرے مشرب والوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ پھر اللہ نے اس کی زبان میں ایک ڈنک رکھ دیا ہے جس سے دلوں کو زخمی کیے بغیر وہ کوئی بات نہیں کر سکتا۔ وہ جس ماحول سے تعلیم و تربیت پا کر آتا ہے، اور جس ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے، وہاں دین کے مہمات اور قوم کے مصالح کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تمام دلچسپیاں سمٹ کر چند چھوٹی چھوٹی نزاعی باتوں میں جمع ہو گئی ہیں، اس لیے لامحالہ جب وہ زبان کھولے گا انھی مسائل پر کھولے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ کے گھر میں گالم گلوچ اور جوتی پیزار ہو گی اور آخر کار ہر مشرب کے مسلمان اپنے جمعے الگ الگ قائم کرنے لگیں گے۔ یہ تو مذہبی ذہنیت رکھنے والوں کا حال ہوا۔ رہے نئے تعلیم یافتہ حضرات، جو ان مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتے تو ان پر ایک دوسری مصیبت نازل ہو گی۔ وہ ہر جمعہ کو رسول اللہؐ کے منبر سے وہ وہ موضوع اور ضعیف روایتیں اور لاطائل کہانیاں اور احکام اسلامی کی غلط تعبیریں سنیں گے، جن کو سن کر غیر مسلموں کا مسلمان ہونا تو درکنار، ذی ہوش مسلمانوں کا مسلمان رہنا بھی مشکل ہے۔

مذہبی دھڑے بندیوں کے علاوہ اب مسلمانوں میں سیاسی دھڑے بندی کا بھی زور ہو رہا ہے۔ جہاں کہیں مولوی قسم کے مسٹروں، یا مسٹر قسم کے مولویوں کو امامت و خطابت کا موقع مل گیا ہے، وہاں وہ نہایت منہ پھٹ اور بے لگام طریقے سے اپنے سیاسی مسلک کی تائید اور مسلک مخالف کے لوگوں کی تذلیل و تضحیک و تفسیق کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک اور فتنہ ہے جو اگر کچھ زیادہ بڑھ گیا تو مسلمانوں کے لیے مل کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ مسجدوں میں وہ کچھ ہونے لگا ہے جو پولنگ اسٹیشنوں پر ہوا کرتا ہے اور بالآخر ہر سیاسی مسلک کے لوگوں کی مسجدیں الگ ہو کر رہیں گی۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

خطبہ غیر عربیہ کے اجراء سے پہلے آپ کو ان خرابیوں کا کوئی علاج سوچنا چاہیے۔ میری رائے میں ان کا علاج صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اہل علم کی کوئی معتدل جماعت خطبات جمعہ کی تیاری کا کام اپنے ہاتھ میں لے اور ایسے خطبے لکھے جو نزاعی مسائل سے پاک ہوں اور مسلمانوں میں صحیح و دینی روح پھونکنے والے ہوں۔ پھر ہندستان میں ہر جگہ صحیح الخیال اور بااثر لوگ کوشش کریں کہ اسی مرکزی جماعت کے تیار کیے ہوئے خطبے نماز جمعہ میں پڑھے جائیں۔ اگر ایسی کوئی تنظیم ہو جائے (جس کی امید کم ہی نظر آتی ہے) تو خطبہ غیر عربیہ کے اجراء میں میری تحقیق کی حد تک کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ تنظیم نہ ہو سکے تو مصلحت کا اقتضاء یہی ہے کہ عربی کے انھی پرانے خطبوں کو چلنے دیا جائے جن سے کوئی مفید نہیں تو مضر نتیجہ بھی برآمد نہیں ہوتا۔ البتہ اگر خوش قسمتی سے کوئی موزوں خطیب میسر آجائے اور وہ اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دے سکے تو اس سے فائدہ اٹھانے میں دریغ بھی نہ کرنا چاہیے۔[xxxiii]

خطبۂ جمعہ کی زبان پر مزید بحث

مسئلے کا ایک پہلو فقہی ہے اور اس نقطہ نظر سے صرف یہ امر بحث طلب ہے کہ آیا خطبے کو عربی زبان میں پڑھنا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ اس سوال کے متعلق کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیے حسب ذیل امور کی تحقیق ہونی چاہیے۔ کیا خطبہ عربیہ کے وجوب پر کوئی نص ہے؟ اگر نص نہیں ہے اور یہ حکم صرف شارع کے عمل سے ماخوذ ہے تو کیا شارع کا یہ عمل سنت کی تعریف میں آتا ہے؟ آیا اصطلاح شرح میں سنت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو شارع نے کیا ہو، اس باب میں شرعی عمل اور عادی و طبعی عمل میں کوئی فرق کیا گیا ہے؟ اگر فرق ہے تو شارع کا عربی میں خطبہ دینا کس قسم کا فعل ہے، شرعی یا طبعی؟

مسئلے کا دوسرا پہلو مصالح سے تعلق رکھتا ہے اور اس بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کے لیے حسب ذیل امور کا تصفیہ ضروری ہے۔ خطبے کا مقصد کیا ہے؟ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے شارع نے اور صدر اول کے ائمہ نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی پابندی سے آج بھی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ شریعت میں مقصد زیادہ اہمیت رکھتا ہے، یا وہ وسیلہ جو اس کو حاصل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو؟ اگر مقصد زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور کسی خاص صورت حال میں طریقہ متوارثہ کی پابندی سے وہ فوت ہو رہا ہو اور اس صورت حال کو بدلنے پر ہم قادر نہ ہوں تو کیا ہم اصول شرع کے تحت طریقہ متوارثہ میں کوئی تغیر کر سکتے ہیں؟ اگر تغیر کرنے کا حق ہم کو حاصل ہے تو حالات کے لحاظ سے ہمیں کتنا اور کس طرح کا تغیر کرنا چاہیے؟

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر ان دلائل کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن مجید کا ترجمہ کرنا بھی اسی طرح ناجائز قرار پائے گا جس طرح غیر عربی میں خطبہ دینا ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ عربی زبان اسلام کی سرکاری زبان ہے، جو لوگ اسلام کے محکوم ہیں، ان پر اس زبان سے واقف ہونا لازم ہے اور اگر وہ عربی سے واقفیت پیدا نہیں کرتے تو یہ ان کا قصور ہے، لہٰذا ان کو سمجھانے کے لیے قرآن کے مطالب کو ان کی مادری زبان، یا بالفاظ دیگر کسی "غیر سرکاری زبان" میں بیان نہیں کیا جائے گا۔ اسی طریقے سے آپ یہ بھی کہہ دیجیے کہ ان کے سامنے اسلامی احکام، اسلامی عقائد، اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور دوسری "سرکاری" چیزوں کو بھی صرف "سرکاری زبان ہی میں بیان کیا جائے گا۔ کوئی چیز غیر سرکاری زبان میں نہ بیان ہو گی خواہ وعظ کی صورت میں ہو یا تحریر کی صورت میں۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

فرمایئے! اگر کوئی شخص یہ موقف اختیار کرے تو کیا آپ اس کو قبول کریں گے؟ غالباً نہیں اس لیے کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ موجودہ حالات میں ایسا کرنے سے مسلمانوں کی تقریباً ۸۰ فی صد آبادی اسلام کے علم سے بالکل بے بہرہ ہو جائے گی۔ اسی بنا پر آپ قرآن حکیم کے ترجمے دوسری زبانوں میں کرنے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر آپ ''غیر سرکاری زبان'' میں ''سرکاری'' مضامین کی اشاعت کو مواعظ اور تحریروں کی شکل میں صرف گوارا ہی نہیں بلکہ پسند کرتے ہیں۔ جب حال یہ ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ تمام بحثیں صرف خطبہ جمعہ کے مسئلے میں پیدا ہوتی ہیں؟ مسجد میں اگر کوئی شخص نماز کے بعد یا خطبے سے پہلے عجمی زبان میں وعظ کہے تو جائز بلکہ مفید۔ اور انھی مضامین کو اگر وہی شخص منبر کی دو سیڑھیوں پر چڑھ کر خطبۂ جمعہ کی حیثیت سے بیان کرنے لگے تو ناجائز، بلکہ بدعت!

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عادت قدیمہ کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں، اور جب کوئی مجتہد، حالات کے تغیر اور زمانے کی بدلی ہوئی ضروریات کو محسوس کر کے، طریقہ متوارثہ میں ترمیم کی جرات کرتا ہے تو وہ محض اس بنا پر اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں کہ اس نے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے ان کے طبائع مانوس نہیں ہیں، مگر جب یہ نیا طریقہ چل پڑتا ہے اور اجنبیت دور ہو جاتی ہے تو لوگ اس کو نہ صرف جائز بلکہ مفید سمجھنے لگتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جب قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کیا تو اسی بنا پر ان کی مخالفت کی گئی تھی۔ ان سے پہلے ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جس میں عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں دعا کرنا، وعظ کہنا اور دینی مسائل پر اظہار خیال کرنا ایک نئی چیز تھی۔ اور لوگ اس پر معترض ہوتے تھے۔ ٹرکی میں جب پہلی مرتبہ جدید طرز پر فوجوں کو مرتب کرنے اور نئے آلات جنگ کا استعمال رائج کرنے کی کوشش کی گئی تو ایک جماعت نے اس پر سخت اعتراض کیا تھا۔ ان میں سے ہر موقع پر یہی کہا گیا کہ یہ بدعت اور احداث فی الدین ہے، مگر آج کوئی نہیں جس کو ان چیزوں پر اعتراض ہو۔ اعتراض تو درکنار آج عامی اور عالم سب ان کو جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ پر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کے اعتراضات دراصل غیر شرعی محرکات سے پیدا ہوتے ہیں، پھر ان کی تائید میں شریعت سے استدلال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام سے عربی زبان کا خاص تعلق ہے۔ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے۔ نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی سیرت کے متعلق تمام معلومات عربی میں ہیں۔ اسلام کا صحیح علم حاصل ہونا، جس پر انسان کے مسلمان ہونے کا مدار ہے۔ عربی زبان کی واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ امت مسلمہ کی وحدت برقرار رکھنے کے لیے بھی عربی زبان ایک ضروری اور ناگزیر ذریعہ ہے۔ انھی وجوہ سے ہر زمانے کے علماء نے عربی کی تعلیم پر زور دیا ہے، اور انھی وجوہ سے آج بھی ہر صاحب عقل و فہم مسلمان یہ ضروری سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں عربی کو بحیثیت ایک ثانوی زبان کے لازمی طور پر شامل ہونا چاہیے۔ یہ تمام باتیں بالکل برحق ہیں اور ان میں اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے میں عرض کر چکا ہوں ''ہے'' اور ''ہونا چاہیے'' میں بڑا فرق ہے۔ جو کچھ ہونا چاہیے اس کے لیے ضرور کوشش کیجیے۔ لیکن اگر عالم واقعہ میں موجود نہیں ہے تو اپنے طرز عمل کو واقعات کے مطابق بنانے سے انکار نہ کر دیجیے۔ عقل اور دین دونوں کا اقتضا یہ ہے کہ مقصد کو وسیلہ پر مقدم رکھا جائے۔ ایک وسیلہ اگر زیادہ بہتر ہے، لیکن اب کارگر نہیں رہا ہو، تو دوسرا وسیلہ اختیار کیجیے جو کارگر ہو، اگرچہ بہتر نہ ہو۔ لیکن اگر آپ وسیلہ پر اصرار کر کے اصل مقصد کو کھو دیں گے تو یہ نہ عقلمندی ہے نہ دینداری۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اب آپ خود غور کیجیے کہ دین کا اصل مقصد کیا ہے؟ آیا یہ ہے کہ عربی زبان کو "سرکاری" اور قومی زبان کی حیثیت سے پھیلایا جائے؟ یا یہ کہ خدا کے بندوں کو اس کی تعلیم اور اس کے احکام سے واقف کرایا جائے؟ ظاہر ہے کہ اصل مقصد دوسری چیز ہے۔ پس جب حال یہ ہے اور ہر شخص اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ غیر عربی ممالک میں دو فی صدی آدمی بھی عربی زبان سمجھنے والے باقی نہ رہے، اور ہم اس طاقت سے محروم ہو چکے ہیں جس سے صدر اول کے مسلمانوں نے عربی کے علم کو پھیلایا تھا، تو آپ کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے لیے صحیح طریق کار کیا ہے؟ یہ کہ مقصد اصلی کو کسی دوسرے ممکن ذریعے سے حاصل کریں؟ یا یہ کہ قدیم ذریعے پر اصرار کر کے مقصد کو فوت ہو جانے دیں؟

دین ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ انسانی زبانوں میں سے کسی کے ساتھ اس کا مختص بالذات رشتہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد دین کو اپنے بندوں تک پہنچانا ہے، اور اس مقصد کے لیے جس طرح وہ ایک انسان کو وسیلہ بناتا ہے اسی طرح ایک زبان کو بھی وسیلہ بناتا ہے۔ نبی ﷺ سے پہلے اسی دین کو پہنچانے کے لیے وہ دوسری قوموں کے انسانوں اور دوسری قوموں کی زبانوں کو بھی وسیلہ بنا چکا ہے۔ پس اگر آخری تبلیغ کے موقع پر اس نے عربی قوم اور عربی زبان کو وسیلہ بنایا تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ اب صرف عربی زبان ہی سے اسلام کا رشتہ ہو گیا ہے اور دوسری زبانوں کو تبلیغ دین کے لیے استعمال کرنا ناجائز یا مکروہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی ﷺ صریح ہدایت فرما دیتے کہ عربی زبان کے سوا کسی زبان کو تبلیغ دین کے لیے قیامت تک استعمال نہ کرنا۔ حالانکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے بعض صحابہ کو غیر زبانیں سیکھنے کا حکم دیا تھا اور عہد صحابہ میں حضرت سلمان فارسیؓ جیسے غیر عربی الاصل حضرات عجمیوں کو ان کی اپنی زبانوں میں دین کی تعلیمات سمجھاتے تھے۔

رہی یہ بات کہ قیصر روم اور شاہ ایران کو جو دعوت نامے بھیجے گئے تھے وہ عربی میں کیوں بھیجے گئے، تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو خطوط ان لوگوں کو بھیجے تھے، وہ ایک ملک کے فرمانروا کی طرف سے دوسرے ملک کے فرمانروائوں کی جانب تھے، اور ایسی مراسلت میں اپنے ملک کی زبان کے بجائے مخاطب کے ملک کی زبان استعمال کرنا اس مملکت کی توہین ہے جس کا فرمانروا کمتر موقف اختیار کرے۔ اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضورؐ تبلیغ کی خاطر ہر مخاطب فرمانروا کو اسی کی زبان میں خطاب فرمانا چاہتے بھی تو اس وقت عملاً اس کا انتظام مشکل تھا، کیونکہ صحابہ میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو غیر عربی زبانیں جانتے ہوں، اور جو لوگ جانتے تھے وہ بھی ان زبانوں کے ایسے ادیب نہ تھے کہ ایک نبی کے شایان شان فصیح و بلیغ خط لکھ سکتے۔ نیز یہ بات بھی حضور اکرمؐ کو معلوم تھی کہ جن بادشاہوں کے نام آپ دعوت نامے بھیج رہے ہیں ان کو ایسے لوگ میسر آ سکتے ہیں جو ان خطوط کا صحیح مفہوم انھیں سمجھا سکتے ہیں۔[xxxiv] پس حضورؐ کا عربی میں اسلام کے دعوت نامے بھیجنا عملی زندگی کے موانع کا نتیجہ تھا، اور اس کی حیثیت بالکل ایسی ہی تھی جیسے پانی نہ ملنے کی صورت میں آپ نے تیمم بھی کیا ہے اور قیام کی طاقت نہ ہونے کی حالت میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھی ہے۔ حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو ہر جگہ آپ کے لیے ایک چشمہ پیدا کر سکتا تھا، اور آپ کو ہمیشہ بیماری اور ضعف سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ ایسی مثالوں سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں کہ شریعت دین کی تبلیغ کو صرف عربی زبان تک محدود رکھنا چاہتی ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ اس زبان سے واقف نہ ہوں، ان کو ضلالت اور جہالت میں مبتلا رہنے دیا جائے۔

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

صحابہ کرام اور ائمہ متقدمین کی غیر زبانوں سے نفرت اور عربیت پر ان کے اصرار کے متعلق میں نے "تعصب" کا لفظ جو استعمال کیا تھا۔ تعصب محض جاہلیت ہی کا نہیں ہوتا۔ ایک قسم کا تعصب وہ ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ہوتا ہے اور جس کو عیب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر ایک ہندوستانی جب چین جائے گا تو وہاں کی زبان، عادات، خصائل، طرز بود و ماند ہر چیز سے اجنبیت محسوس کرے گا۔ ان پر ناک بھوں چڑھائے گا۔ اور اس کو پسند نہ کرے گا کہ اس کے اہل و عیال "چینیت" اختیار کریں۔ یہ ایک فطری منافرت ہے جو ہر انسان کی طبیعت میں اجنبی چیزوں سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام بھی بہر حال انسان تھے اور عجمیت سے ان کی نفرت ایک حد تک اس بنا پر بھی تھی۔ اس میں مزید اضافہ اس وجہ سے ہو گیا کہ عجمی اقوام اس وقت سب کی سب کافر تھیں اور ان کے جو افراد مسلمان ہو جاتے تھے، ان کو صحابہ کرام عربیت کے رنگ میں رنگ لینا ضروری سمجھتے تھے، تاکہ وہ کفار کی جمعیت سے الگ ہو کر اہل اسلام کی جمعیت میں جذب ہو جائیں۔ نیز صحابہ کرام یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ مسلمان (جو اس وقت تمام تر عرب ہی تھے) عجمی ممالک میں اہل عجم کی سی بولیاں بولنا اور ان کے سے لباس پہننا شروع کر دیں۔ کیونکہ اس طرح کفار کی اکثریت میں ان کے جذب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ پس صحابہ کرام نے جو طرز عمل اختیار کیا، اس کی بنیاد دو وجوہ پر تھی۔ ایک وجہ فطری تھی اور دوسری وجہ حالات کے اقتضاء سے تعلق رکھتی تھی۔ ان میں سے پہلی وجہ کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لیے اس کو حجت بنانا درست نہیں۔ رہی دوسری وجہ تو اب وہ حالات باقی نہیں ہیں۔ اردو، فارسی، ترکی، جاوی، اور ایسی ہی دوسری زبانیں بھی عربی کی طرح اب مسلمانوں کی زبانیں ہیں، اور ان سے کسی اسلامی مصلحت کے تحت نفرت و اجتناب کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ہے۔[xxxv]

کیا خطبہ غیر عربیہ واجب ہے؟

یہ ایک دلچسپ صورت حال ہے۔ ایک جماعت عجمی زبان کے خطبے کو مکروہ تحریمی ثابت کر رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا فاعل گناہ گار ہو۔ دوسری جماعت اسی چیز کو واجب ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا تارک گناہ گار ہو۔ حالانکہ نہ ایک فریق کے پاس اس کی حرمت کا کوئی شرعی ثبوت ہے اور نہ دوسرے کے پاس اس کے وجوب کا۔ اس معاملے میں یہ بات ہر شخص کو بطور ایک اصول کے سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت میں فرض و واجب، یا حرام و ناجائز صرف وہی امور ہیں، جن کو شارع نے خود یہ حیثیت دی ہو اور جن کے بارے میں کتاب و سنت سے اس طرح کا کوئی حکم ثابت ہو۔ ایسے ہی امور کے فعل یا ترک پر گناہ کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ باقی رہے وہ امور جو ہم قیاس و استدلال کے ذریعے سے شارع کے قول یا عمل سے مستنبط کرتے ہیں، تو ان کو فرض یا واجب قرار دینا، یا حرام یا ناجائز ٹھیرانا اور ان کی بنا پر ثواب یا عقاب کا حکم لگانا اصلاً غلط ہے۔ اس لیے کہ انسان کو انسان پر کوئی چیز فرض و واجب کرنے یا حرام یا ناجائز ٹھیرانے کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے، اور عذاب و ثواب خدا کے اختیار میں ہیں نہ کہ انسان کے اختیار میں۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔[xxxvi] ایک بڑے سے بڑا عالم اور امام جلیل القدر بھی زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہنے کا حق رکھتا ہے، وہ صرف اس قدر ہے کہ میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ایسا سمجھتا ہوں، میرے نزدیک فلاں بات کی جاسکتی ہے یا اس کا کرنا اولیٰ ہے، یا فلاں بات نہیں کی

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

جاسکتی، یا اس کا کرنا درست نہیں۔ اگرچہ رائے کا اختلاف اس صورت میں بھی باقی رہتا ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص کا فہم دوسرے شخص کے فہم سے بالکل مطابق نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ اختلاف احکام شریعت میں نہیں بلکہ انسانی اجتہاد میں ہو گا اور اس کی وجہ سے وہ فتنے نہ پیدا ہو سکیں گے جو اجتہادی اختلافات کی بنیاد پر فرض اور حرام کا فرق پیدا کرنے اور پھر ایک دوسرے کو گناہ گار اور گمراہ ٹھہرانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

اس اصل کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اس کے بعد زبان خطبہ کے مسئلے پر غور کیجیے۔ شارع نے ایسی کوئی تصریح نہیں فرمائی ہے کہ خطبہ فلاں زبان میں دینا واجب ہے۔ یا فلاں زبان میں دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح شارع نے ان مقاصد کی تفصیل بھی بیان نہیں کی ہے جن کے لیے خطبے کو نماز جمعہ کے ساتھ لازم کیا گیا ہے۔ اس باب میں جتنی مختلف باتیں مختلف خیالات کے اہل علم بیان کرتے ہیں، وہ شارع کے کسی صریح حکم پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ انھوں نے صاحب شریعت کے عمل کو دیکھ کر اپنی فہم کے مطابق مختلف امور اخذ کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک گروہ کا فہم صحیح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے گروہ کا فہم صحیح ہو۔ دونوں کو اپنے اپنے دلائل پیش کرنے کا حق ہے۔ لیکن کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے فہم سے جو حکم وہ نکال رہا ہے اسے واجب ٹھیرائے اور اس کے تارک کو گناہ گار قرار دے، یا اسے حرام ٹھیرائے اور اس کے فاعل کو مجرم ٹھیرائے۔ لوگوں کو پوری آزادی حاصل ہے کہ جس کے دلائل کو وہ زیادہ وزنی سمجھیں اور جس کی رائے پر ان کو اطمینان ہو جائے، اس کا اتباع کر لیں۔ شارع کا تصریح نہ کرنا خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اس باب میں آزادی بخشی ہے۔ اگر اس میں لوگوں کے طریقے مختلف ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ جس کا مسلک زیادہ قوی دلائل پر مبنی ہو گا، اور جس کی رائے مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر کو زیادہ مطمئن کرنے والی ہو گی، اسی کے اتباع پر بالآخر سواد اعظم مجتمع ہو جائے گا اور اختلاف عمل کا دائرہ خود بخود گھٹتا چلا جائے گا۔

خطبہ غیر عربیہ کو واجب قرار دینے کے لیے جو طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے، وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ نماز کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد رجوع الی اللہ ہے، اور رجوع الی اللہ بغیر خشوع و خضوع کے ممکن نہیں۔ اور جس چیز پر فرض کے مقصد کا حصول موقوف ہو، وہ بھی فرض ہونی چاہیے، لہٰذا خشوع و خضوع نماز ہی کی طرح فرض ہے۔ یہ طرز استدلال ممکن ہے کہ منطق کی رو سے درست ہو، مگر شرع کی رو سے درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ شخص امت پر ایسی چیز فرض کرتا ہے جسے خدا نے فرض نہیں کیا۔ شریعت میں صرف وہی چیز فرض یا حرام ہے جس کو خدا نے فرض یا حرام قرار دیا ہے۔ ہم کو منطقی استدلال سے فرائض اور حرمات کی فہرست میں اضافہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پچھلی امتوں نے یہی غلط طریقہ اختیار کر کے اپنے اوپر بہت سی چیزیں لازم کر لی تھیں، جو خدا نے ان کے اوپر لازم نہیں کی تھیں، اور یہی وہ بوجھ اور پھندے تھے جن سے انسانیت کو آزاد کرنے کے لیے نبی ﷺ بھیجے گئے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔[xxxvii]

اصل حقیقت یہ ہے کہ شرعی نظام کے درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے اسلام کا کوئی حکم اپنی اصل پر باقی نہیں رہا ہے۔ جمعہ اور خطبہ ہمارے شرعی نظام کے اہم ترین اجزاء میں سے تھے۔ ایک عظیم الشان اجتماعی مقصد تھا جس کی تحصیل کے لیے دوسرے اجزاء کے ساتھ ان دونوں چیزوں کو بھی خاص حکیمانہ تناسب سے ایک نظام میں نصب کیا گیا تھا۔ اب وہ نظام ٹوٹ گیا، اجزاء پراگندہ ہو گئے، ان کا

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

باہمی ربط اور اجتماعی زندگی کے ساتھ ان سب کا مجموعی ربط ٹوٹ گیا، اور سرے سے وہ عظیم الشان مقصد ہی اب دلوں سے محو ہوتا جارہا ہے جس کے لیے یہ تمام اجزاء فراہم کیے گئے تھے۔ اس حالت کی صحیح اصلاح تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ شرعی نظام پھر سے قائم کیا جائے اور اس کے بکھرے ہوئے اجزاء کو پھر اسی طرح جمع کر کے ایک مشین کے پرزوں کی طرح نصب کر دیا جائے، تاکہ اس کی حرکت کے ساتھ ساتھ وہ نتائج بر آمد ہوتے چلے جائیں جو اس سے مطلوب ہیں۔ تاہم اگر یہ نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں میں ایک رائے عام پیدا کر دی جائے، بڑے پیمانے پر نہیں تو چھوٹے پیمانے پر ہی ان کو اپنے اجتماعی کام ایک نظم کے ساتھ انجام دینے کی عادت ڈالی جائے، اور رائے عامہ کی طاقت سے ان مضرتوں کا سدباب کیا جائے جو غیر ذمہ دار لوگوں کی منتشر حرکات سے پیدا ہوتی ہیں لیکن اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر اصلاح کا نام نہ لیجیے، اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اسی طرح ہونے دیجیے کیونکہ ہر شخص اپنے ذہن میں اصلاح کا جو مفہوم سمجھے بیٹھا ہے، اگر وہ اسی کے مطابق انفرادی طور پر عمل شروع کر دے تو بے شمار مصلحین، ایک دوسرے کے خلاف عمل کرنے والے پیدا ہو جائیں گے اور ان کی کارگزاریوں کا نتیجہ اصلاح کے بجائے مزید فساد ہو گا۔

نظام شرعی میں خطیب جمعہ کی حیثیت محض ایک واعظ کی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ذمہ دار شخص کی حیثیت رکھتا ہے جس پر اپنے حلقے کی جماعت مسلمین کی نگرانی کرنے اور ان کی اجتماعی زندگی کو مفاسد سے بچانے اور ان سب کو عام قومی پالیسی کے مطابق چلانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ذمہ داری بجائے خود ایک معلم ہے۔ جس شخص پر اس کا بار پڑتا ہے، وہ خود ذمہ داری سے ہی سیکھ لیتا ہے کہ اس سے کیونکر عہدہ بر آ ہو، بخلاف اس کے ایک غیر ذمہ دار شخص، جو نہ کسی نظام جماعت سے تعلق رکھتا ہو، نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہو، نہ اس امر کا کوئی تصور رکھتا ہو کہ اس کا خطبہ جماعت کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے، بلکہ اثر انداز ہوتا بھی ہے، یا نہیں۔ ایسا شخص خطبہ جمعہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ جماعت کی فلاح و بہبود کن چیزوں کی مقتضی ہے؟ کون سے مفاسد ہیں جن کی اصلاح اس کو پہلے کرنی چاہیے؟ کن تعلیمات کی تلقین اور کن احکام کی تبلیغ مقدم ہے اور اس کام کو کس طرح انجام دیا جائے کہ فائدہ مطلوب حاصل ہو؟ ہمارے جمعوں کے امام چونکہ کوئی ذمہ دارانہ حیثیت ہی نہیں رکھتے، اس لیے درحقیقت وہ خطیب کے ان فرائض کو ادا کرنے کے ناقابل ہیں۔ وہ اگر عالم بھی ہوں تو ان کی حیثیت ایک واعظ اور مبلغ کی رہے گی۔ وہ محض اپنے شخصی اختیار تمیزی کی بنا پر تعلیم و تبلیغ کریں گے اور اس سے کوئی خاص اجتماعی فائدہ حاصل نہ ہو گا، بلکہ اس کے برعکس ان کے غیر ذمہ دارانہ مواعظ سے یہ تھوڑی بہت اجتماعیت بھی، جو اب حاصل ہوتی ہے، پراگندہ ہو جائے گی۔

اگر نظام شرعی کا احیاء اس وقت ممکن نہیں ہے، جیسا کہ بظاہر نظر آرہا ہے، تو آخری صورت وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت، جو کسی حد تک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتی ہو، خطبات جمعہ مرتب کرنے کے لیے مقرر ہونی چاہیے، اور اس کو ایسے خطبات مرتب کرنے چاہییں جن میں اصول اسلام کو غیر اختلافی طریقوں سے بیان کیا جائے، مسلمانوں میں وحدت ملی کا احساس پیدا کیا جائے، ان کو عام اخلاقی مفاسد اور خلاف شریعت اعمال پر (جو متفق علیہ ہیں) متنبہ کیا جائے، اور ایسے احکام بیان کیے جائیں جن سے مسلمانوں کے کسی فرقے کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اجتماع جمعہ کے مقاصد کی تحصیل کا کم سے کم ذریعہ یہی ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ مختلف فرقوں کے جمعے جو الگ الگ ہونے لگے ہیں، ان کو بند کیا جائے اور ایسی صورتیں پیدا کی جائیں کہ کم از کم جمعہ میں تمام یا اکثر فرقوں کے مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں۔ جمعوں کا الگ ہونا غایت درجہ نقصان دہ چیز ہے۔ اس کو مٹانے کی ضرورت ہے۔ نہ یہ کہ

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ایسے اسباب پیدا کیے جائیں جن سے یہ بیماری اور زیادہ ترقی کرے۔ واعظوں کو اگر اپنے نقطہ نظر کے مطابق وعظ کہنا ہے اور وہ اپنے مسلک کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو وہ مسجدوں سے باہر جہاں چاہیں، لب کشائی کریں۔ مسجدیں جمع کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں، نہ کہ تفریق کرنے کے لیے۔ ان کو مساجد ضرار بنانا ایک بدترین فعل ہے، جسے کسی حال میں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔[xxxviii]

خلاصہ:

نماز جمعہ اہم عبادت ہے۔ خطبہ جمعہ کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خطبہ جمعہ قرون اولیٰ سے عربی زبان میں منقول ہے۔ اس خطبے کی مشروعیت اور فقہی حکم کے حوالے سے اختلافی آراء موجود ہیں۔ ان میں کراہت تحریمی کا قول بھی موجود ہے۔ اس بحث میں دلائل کے ساتھ اس بات کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے کہ خطبہ جمعہ براہ راست نماز نہیں ہے بلکہ تزکیہ ہے لہذا اس حوالے سے فقہی تحقیقی آراء کو مد نظر رکھا جائے اور امت کی تزکیہ اور دعوت کے امور کو بھی آسان بنالیا جائے۔

Vol. 7 No.2 2023

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

حواشی

[i] ۔(النساء:۴۳)

[ii] ۔ ابو سعید البروعی نے امام صاحب کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ فارسی کے سوا کسی دوسری زبان میں پڑھنا درست نہیں۔ لیکن کرخی نے لکھا ہے کہ امام اعظم کا صحیح مسلک یہ ہے کہ ہر زبان میں پڑھنا جائز ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں وَیَجُوْزُ بِاَیِّ لِسَانٍ کَانَ سِوَی الْفَارِسِیَّۃِ ھُوَا الصَّحِیْحُ۔

[iii] ۔الشعراء:۱۹۶

[iv] ۔حم سجدہ:۴۴

[v] ۔المزمل:۲۰

[vi] ۔اس بحث کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب المبسوط للسرخسی، ج۱، ص۳۷، اور فتح القدیر و شرح العنایہ علی الہدایہ اول، ص۱۹۹ تا ۲۰۱۔

[vii] ۔یوسف:۲

[viii] ۔ المزمل:۱-۴

[ix] ۔ المزمل:۲۰

[x] ۔ بنی اسرائیل: ۷۸

[xi] ۔ طٰہٰ:۱۱۳

[xii] ۔ یوسف:۲

[xiii] ۔ الزمر:۲۸

[xiv] ۔حم سجدہ:۳،۲

[xv] ۔مریم:۹۷

[xvi] ۔ بنی اسرائیل:۸۸

[xvii] ۔حٰمٓ السجدہ:۴۲،۴۱

[xviii] ۔ الزمر:۲۳

[xix] ۔المبسوط، کتاب الجمعۃ، باب شروط الجمعۃ، ج۲، ص۲۴۔

[xx] ۔الجمعہ:۹

[xxi] ۔ ابن ہمام کہتے ہیں: فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ، فَالظَّاھِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالذِّکْرِ الصَّلٰوۃُ، وَیَجُوْزُ کَوْنُ الْمُرَادُ بِہِ الْخُطْبَۃِ (فتح القدیر) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِذِکْرِ اللّٰہِ الْخُطْبَۃِ وَالصَّلٰوۃُ، وَسَتَظْھَرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِہِ الصَّلٰوۃُ، وَیَجُوْزُ کَوْنُ الْمُرَادُ بِہِ الْخُطْبَۃِ۔ سعید ابن المسیب کے نزدیک ذکر سے مراد موعظۃ الامام ہے۔ (احکام القرآن للجصاص) علامہ ابو بکر جصاص کی رائے یہ ہے کہ ذکر سے مراد صرف خطبہ ہے۔ وَیَدُلُّ اَنَّ الْمُرَادَ بِالذِّکْرِ ھٰھُنَا ھُوَ الْخُطْبَۃِ ھِیَ الَّتِیْ تَلِی النِّدَائَ وَقَدْ اُمِرَ بِالسَّعْیِ اِلَیْہِ فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ الْخُطْبَۃِ۔

[xxii] ۔الجمعۃ:۹

[xxiii] ۔ حضرت عثمانؓ کے واقعے سے اس معاملے میں جو استدلال کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اول تو اس واقعے میں خود اس امر کی تصریح ہے کہ حضرت عثمان نے قصداً ایسا نہیں کیا تھا، بلکہ مجمع سے مرعوب ہو جانے کی وجہ سے ان کی قوت گویائی جواب دے گئی تھی، اس لیے انھوں نے خطبے کو مختصر کر دیا۔ دوسرے یہ بھی غلط ہے کہ انھوں نے صرف حمد و ثنا پر اکتفا کی تھی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ جب انھوں نے دیکھا کہ قوت گویائی جواب دے رہی ہے تو صرف اتنا کہہ کر بیٹھ گئے کہ اِنَّ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ کَانَ یُعِدَّانِ لِھٰذَا الْمَقَامِ مَقَالاً وَاَنْتُمْ اِلٰی اِمَامٍ فَعَّالٍ اخْوَجُ مِنْکُمْ اِلٰی اِمَامٍ قَوَّالٍ وَسَتَاْتِیْکُمُ الْخُطَبُ بَعْدُ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ" یعنی اس موقع کے لیے ابو بکرؓ اور عمرؓ تقریر تیار کر کے آتے تھے۔ اور تم کو اصل حاجت تو کام کرنے والے امام کی ہے نہ کہ بولنے والے امام کی۔ رہیں تقریریں تو وہ بھی آگے چل کر پیش کی جائیں گی اور میں اللہ سے اپنے لیے اور تم سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔"

Vol. 7 No.2 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

[xxiv] ۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب الجمعۃ باب استقبال الناس الامام اذا خطب، ج ۲، ص ۴۰۲۔

[xxv] ۔ مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی السواک، ج ۲، ح ۲۱۳

[xxvi] ۔ ایضاً

[xxvii] ۔ بخاری کتاب الرقاق، باب ملایحذر من زہرۃ الدنیا والتنافس فیہا، ج ۸، ح ۶۴۲۷۔

[xxviii] ۔ بخاری کتاب الجمعۃ، باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء امابعد، ج ۲، ح ۹۲۳۔

[xxix] ۔ ابوداؤد، نسائی

[xxx] ۔ بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الاستسقاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ، ج ۲، ح ۹۳۳۔

[xxxi] ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ خطبے کے مسئلے میں امام اعظم سے متفق ہیں اور بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ صرف اس شخص کے لیے غیر عربی خطبے کو جائز رکھتے ہیں جو عربی زبان میں خطبہ دینے پر قادر نہ ہو۔

[xxxii] ۔ اس مقام پر یہ جاننا فائدے سے خالی نہ ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر عرب لوگوں سے خط و کتابت کرنے کے لیے اپنے سیکرٹری حضرت زید بن ثابت کو سریانی زبان کی تعلیم دلوائی تھی۔ (ملاحظہ ہو الاستیعاب لابن عبدالبر، ج ۱، ص ۱۸۹) اسی طرح بعض دوسرے صحابہؓ کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ انھوں نے غیر زبانیں سیکھی تھیں۔

[xxxiii] ۔ سید مودودی، تفہیمات، نماز خطبہ۔۔۔، ج ۲، ص ۳۶۱-۳۶۵۔

[xxxiv] ۔ واضح رہے کہ ایرانی اور رومی، دونوں سلطنتوں کی حدود میں، اور ان کے زیر اثر علاقوں میں عربی ریاستیں موجود تھیں۔ بڑے بڑے عرب قبائل آباد تھے اور عرب سرداروں کی رسائی قیصر و کسریٰ کے درباروں میں تھی۔ اسی طرح مصر اور حبش کے ساتھ بھی عرب کے وسیع تجارتی تعلقات تھے اور دونوں ملکوں کی اپنی حدود میں عربی بولنے والی آبادیاں پائی جاتی تھیں۔

[xxxv] ۔ سید مودودیؒ، تفہیمات، خطبہ جمعہ۔۔۔، ج ۲، ص ۳۶۶-۳۷۶۔

[xxxvi] ۔ النحل: ۱۱۶

[xxxvii] ۔ الاعراف: ۱۵۷

[xxxviii] ۔ سید مودودیؒ، تفہیمات، خطبہ جمعہ۔۔۔، ج ۲، ص 381-386